انتصاراً للوصية

وصیت کا دفاع

مصنف: شیخ ناظم عقیلی

پہلی اشاعت: 10.05.2025

فہرست

اہداء 4

نصیحت 5

وصیت رسول اللہ محمدؐ، اپنی وفات کی رات علی بن ابی طالبؑ کو 7

دوسری ایڈیشن کی پیشکش 8

وصیت کے راویوں کی وثاقت سے پہلے جن باتوں کا جاننا ضروری ہے 10

پہلی بات: اہلِ بیت کے طریقے کے سوا کسی اور طریقے کو اپنانا جرات ہے 10

دوسری بات: کتبِ رجال میں تصحیف واقع ہوئی ہے 11

تیسری بات: توثیق و تضعیف میں بہت زیادہ نرمی برتی گئی ہے 15

چوتھی بات: توثیق اور جرح کو صرف کتبِ رجال تک محدود سمجھنا درست نہیں.........18

پانچویں بات: علماءِ رجال معصوم نہیں ہیں 24

چھٹی بات: رجال کے علماء کے جرح و تعدیل کے طریقے کو تسلیم نہ کرنا 33

ساتویں بات: وصیت کے راوی..41

آٹھویں بات: وصیت کے چھ راوی اصحاب اصول میں سے ہیں..............................46

نویں بات: وصیت کی صحت کی قرائن 48

دسویں بات: حدیث کی اقسام 48

رسول اللہؐ کی وفات کی شب علیؑ کو کی گئی وصیت کے راوی 53

الجماعۃ..54

احمد بن عبد الواحد، (ابن عبدون) کے نام سے مشہور 54

الحسین بن عبید اللہ الغضائری: 56

ابو عبد اللہ حسین بن علی بن سفیان بزوفری: 57

علی بن سنان موصلی العدل: 58

علی بن الحسین: 67

احمد بن محمد بن الخلیل: 69

جعفر بن احمد المصری: 70

الحسن (الحسین) بن علی: 74

علی بن بیان بن زید بن سیابہ (والد حسین بن علی مصری): 76

ضمیمہ: [علی بن الحسین = علی بن الحسین بن بابویہ] 81

پہلا نکتہ: کتب میں راوی 83

دوسرا نکتہ: راوی اور جس سے روایت کی گئی 117

جن افراد سے عنوان [علی بن الحسین] نے روایت کی ہے: 120

عنوان [علی بن الحسین] سے روایت کرنے والے: 134

تیسرا نکتہ: 142

پچھلے بیان کی تکمیل: 145

اہداء

خوش نصیب شہداء، علمائے کرام، انبیاء، شرفاء سرداروں کی طرف
خون دینے والوں، پاکیزہ طاہر ارواح کی طرف
آسمان میں پہچانے جانے والوں کی طرف، جنہیں ملائکہ آسمان نے پہچانا
ان مظلوموں کی طرف، جنہیں اہل زمین نے ستایا
امام مہدیؑ کے انصار شہداء کی طرف
میں یہ معمولی سا عہد و جہد پیش کرتا ہوں، شاید اللہ کے نزدیک قبول ہو، یہ ان کے حق کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہے ہم پر
جس کا ہم اظہار بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنی طاقت سے ادا کر سکتے ہیں، مگر اللہ کے فضل و توفیق سے
میرے کریم دوستوں، سید احمد الحسن ؑ اور ان کے طاہر و صدیق نائب، صدیقہ طاہرہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا!

نصیحت

شیخ صدوق (رحمہ اللہ) نے اپنی سند کے ساتھ امام جعفر بن محمدؑ سے، ان کے والد سے، ان کے دادا سے، اور علی بن ابی طالبؑ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں وصیتِ نبیؑ کا ذکر ہے۔ اس میں رسول اللہؐ نے فرمایا: (اے علی! جان لو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز ایمان اور سب سے عظیم یقین ان لوگوں کا ہوگا جو آخر الزمان میں ہوں گے۔ وہ نہ نبی کو دیکھ سکیں گے اور نہ ہی ان کے لیے حجت واضح ہوگی، لیکن وہ سیاہی جو سفیدی پر ہے (تحریر کو کتابت میں) دیکھ کر ایمان لائیں گے).[1]

اور رسول اللہؐ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

(کون سا ایمان سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتوں کا ایمان۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اس میں کیا حیرت ہے، جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے! صحابہ نے عرض کیا: ہمارا ایمان؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: اس میں بھی کیا حیرت ہے، جب کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو! صحابہ نے عرض کیا: تو پھر کس کا ایمان؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: وہ لوگ جو آخر الزمان میں سیاہی کو سفیدی پر (تحریر کو کتابت میں) دیکھ کر ایمان لائیں گے)[2]

اور رسول اللہؐ نے فرمایا: (مجھے بتاؤ کہ ایمان میں سب سے افضل لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فرشتے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: وہ ایسے ہی ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں، اور انہیں کیا روک سکتا ہے جب کہ اللہ نے انہیں وہ مقام عطا کیا ہے جو انہیں عطا کیا۔ صحابہ نے عرض کہا: یا رسول اللہ! انبیاء جو اللہ نے اپنی رسالت اور نبوت سے نوازے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: وہ بھی ایسے ہی ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں، اور انہیں کیا روک سکتا ہے جب کہ اللہ نے انہیں وہ مقام عطا کیا ہے جو انہیں عطا کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ شہداء جو انبیاء کے ساتھ شہید ہوئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: وہ بھی ایسے ہی ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں، اور انہیں کیا روک سکتا ہے جب کہ اللہ نے انہیں انبیاء کے ساتھ شہادت کا اعزاز دیا۔ پھر صحابہ نے عرض

---

[1] کمال الدین و تمام النعمۃ، شیخ صدوق، ص 288

[2] مستدرک الوسائل، میرزاالنوری، ج 17، ص 300

کیا: تو یارسول اللہ! وہ کون ہیں؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: وہ لوگ جو ابھی مردوں کی پشتوں میں ہیں، میرے بعد آئیں گے، مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھیں گے، اور مجھے سچا مانیں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھیں گے۔ وہ لکھی ہوئی تحریر کو دیکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے، یہی لوگ ایمان میں سب سے افضل ہیں). [1]

---

[1] - کنز العمال، متقی ہندی، ج14، ص41

وصیت رسول اللہ محمدؐ، اپنی وفات کی رات علی بن ابی طالبؑ کو

الشيخ الطوسى فى الغيبة قال: أخبرنا جماعة عن أبى عبد الله الحسين بن على بن سفيان البزوفرى، عن على بن سنان الموصلى العدل، عن على بن الحسين، عن أحمد بن محمد بن الخليل، عن جعفر بن أحمد المصرى، عن عمه الحسن بن على، عن أبيه، عن أبى عبد الله جعفر بن محمد ، عن أبيه الباقر، عن أبيه ذى الثفنات سيد العابدين، عن أبيه الحسين الزكى الشهيد، عن أبيه أمير المؤمنين (عليه السلام) قال : قال رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) فى الليلة التى كانت فيها وفاته لعلى عليه السلام(عليه السلام) : (يا أبا الحسن أحضر صحيفة ودواة ، فاملا رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) وصيته حتى انتهى إلى هذا الموضع فقال : يا على إنه سيكون بعدى اثنا عشر إماما ومن بعدهم إثنا عشر مهديا ، فأنت يا على أول الاثنى عشر إماما سماک الله تعالى فى سمائه: علياً المرتضى، و امير المومنين، و الصديق الاكبر، و الفاروق الاعظم، و المأمون، و المهدى، فلا تصح هذه الاسماء لأحد غيرک. يا على، انت وصيى على اهل بيتى حيهم و ميتهم و على نسائى فمن ثبتها لقيتنى غداً و من طلقتها فأنا برىء منها، لم ترنى و لم أرها فى عرصة القيامة، وأنت خليفتى على أمتى من بعدى، فإذا حضرتک الوفاة فسلمها إلى ابنى الحسن البر الوصول، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنى الحسين الشهيد الزكى المقتول، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه سيد العابدين ذى الثفنات على، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه محمد الباقر، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه جعفر الصادق، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه موسى الكاظم، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه على الرضا، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه محمد الثقة التقى، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه على الناصح، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه الحسن الفاضل، فإذا حضرته الوفاة فليسلمها إلى ابنه محمد المستحفظ من آل محمد (عليهم السلام)، فذلک اثنا عشر إماما ، ثم يكون من بعده اثنا عشر مهدياً، (فإذا حضرته الوفاة) فليسلمها إلى ابنه أول المقربين له ثلاثة أسامى: إسم كإسمى وإسم أبى وهو عبد الله و أحمد والاسم الثالث المهدى ، هو أول المؤمنين).[1]

---

1 -الغیبۃ، شیخ طوسی ص149 – 150.

دوسری ایڈیشن کی پیشکش

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين و صلى الله على محمد و آله الائمة و المهديين و سلم تسليما

جب میں نے یہ کتاب لکھی اور علم رجال و اسناد میں بڑی محنت کی تا کہ مخالفین کے لیے مضبوط دلیل اور برہان پیش کر سکوں اور دلسوزی کے ساتھ حق کے متلاشیوں کی رہنمائی کر سکوں، تو میرے ذہن میں آیا کہ اس میں چند چھوٹے نکات اور آسان وضاحتیں شامل کر دوں، خاص طور پر جب بعض ناپسندیدہ مراجع کے ترجمانوں کی باتیں میرے کانوں تک پہنچیں، جو جہالت اور عناد کی بناپر بے بنیاد اور سطحی باتیں کر رہے تھے۔

الحمد للہ کہ میں اس کام کی توفیق پا گیا اور جلدی میں جتنا ممکن تھا لکھ دیا۔ اور اس کا اختتام ایک طویل ضمیمے پر کیا جس میں یہ واضح کیا کہ سندِ وصیت میں ذکر ہونے والے [علی بن الحسین] دراصل [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] ہیں، جو شیخ صدوق کے والد ہیں اور کوئی اور نہیں۔ تا کہ کسی بھی احتجاج کرنے والے کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے اور نہ ہی کسی معذرت کرنے والے کے لیے کوئی عذر۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین پر خوف طاری ہو گیا ہے، کیونکہ انہوں نے انصار امام مہدیؑ کے لکھی گئی باتوں کے جواب میں کوئی منظّم تحریر پیش نہیں کی۔ ان کی عاجزی کا حربہ یہ تھا کہ اپنے کچھ پیروکاروں کو اکسایا تا کہ وہ ایسی باتیں کریں جن کا مفہوم خود بھی نہ جانتے ہوں۔ یہی عاجز لوگوں کا طریقہ ہے، جو دلیل کا مقابلہ دلیل سے کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اگر وہ واقعی علم والے ہوتے تو اپنے قلم سے وہ لکھتے جسے وہ حق سمجھتے، لیکن چونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ سونے کے مقابلے میں محض راکھ کے برابر ہے، اس لیے اگر انہوں نے اسے ظاہر کیا تو وہ عوام کے سامنے رسوا ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس مشکوک خاموشی کو اپنایا!

والحمد للہ رب العالمین.

الشیخ ناظم العقیلی

اواخر رجب المرجب 1431ھ ق

Julay 2010

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على محمدٍ وعلى آلِ محمدٍ الأئمةِ والمهديين، وسلّم تسليمًا كثيرًا

میں نے کتاب (دفاعًا عن الوصیۃ) اور کتاب (الوصیۃ والوصی احمد الحسن) میں وصیت کی صحت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور ایسے دلائل و قرائن پیش کیے ہیں جو یقین پیدا کرتے ہیں اور فریقِ مخالف پر حجت کو لازم کرتے ہیں۔ جو لوگ انصاف کے ساتھ ان کتابوں میں لکھی گئی باتوں پر غور کرے گا، ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ وہ لوگ جو وصیت کی روایت کی کمزوری (ضعف) کا دعویٰ کرتے ہیں یا صرف رجال کی کتابوں میں موجود توثیقات کو ہی معیار مانتے ہیں، وہ کتنے جاہل ہیں۔

لیکن چونکہ یہ جاہل یا تو پڑھتے نہیں، یا جو پڑھتے ہیں اسے سمجھتے نہیں، یا انہوں نے پہلے سے ہی جھٹلانے کا ارادہ کر رکھا ہے، اس لیے وہ (دفاعًا عن الوصیۃ) میں دیے گئے دلائل کا جواب دینے کے بجائے ایسی باتیں دہراتے ہیں جنہیں وہ خود بھی نہیں سمجھتے، تاکہ عوام کو دھوکہ دے کر انہیں حق اور اس کی نصرت سے دور رکھیں۔ وہ ایسی بے بنیاد باتوں کو پکڑ کر بیٹھے ہیں جو نہ فائدہ دیتی ہیں اور نہ ہی سیر کرتی ہیں۔ درحقیقت، ان کا مقصد حق کی تلاش نہیں، بلکہ ان کے دل صرف دھوکہ، مکاری، کینہ اور حسد سے بھرے ہوئے ہیں (اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے)۔

اگرچہ جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہی ان لوگوں کے لیے کافی ہے جو سننے اور سمجھنے والے ہیں، لیکن میں اللہ کی توفیق سے ان جاہلوں کو مزید رسوا کرنا چاہتا ہوں اور لوگوں کے سامنے ان کی جہالت کو بے نقاب کروں گا، تاکہ جو لوگ عقل و شعور رکھتے ہیں، وہ اس جہالت کی زنجیر سے خود کو آزاد کر سکیں۔ میری امید ہے کہ لوگ ایسا ہی کریں گے۔

اب میں ان کے اس مضحکہ خیز دعوے کی حقیقت واضح کروں گا کہ روایات کو قبول کرنے کا واحد معیار رجال کی کتابیں ہیں۔ میں اس پر مختصر بات کروں گا، کیونکہ میں نے چند ماہ پہلے ایک کتاب لکھی ہے جو جلد ہی شائع ہونے والی ہے، جس میں میں نے تفصیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتابیں حجت نہیں اور نہ ہی آل محمدؑ کی روایات کو رد کرنے کا کوئی معیاری ذریعہ ہیں۔

اسی طرح میں مختصر طور پر وصیت رسول اللہ ؐ کی روایت کرنے والے راویوں کی توثیق پر بھی بات کروں گا۔ درحقیقت، ان جاہلوں کے لیے بہتر ہو گا کہ وہ اپنی جہالت اور ذلت کے باعث خود کو زمین میں دفن کر لیں۔

پھر، میں راویانِ وصیت کی توثیق کو بیان کرنے سے پہلے چند اہم نکات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں.

وصیت کے راویوں کی وثاقت سے پہلے جن باتوں کا جاننا ضروری ہے

پہلی بات: اہلِ بیت کے طریقے کے سوا کسی اور طریقے کو اپنانا جرات ہے

اگر اہلِ بیتؑ کے طریقے کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے، تو یہ ایک جرات مندانہ اور شرعی طور پر غلط عمل ہوگا جو دینِ محمد و آلِ محمدؐ کے خلاف ہے۔ پھر کیا ہوگا اگر وہ طریقہ اہلِ بیتؑ سے مروی روایات کے بالکل مخالف ہو؟!

میں یہ ثابت کروں گا کہ صرف ثقہ راویوں کی روایات کو قبول کرنا یا اس میں مبالغہ کرنا اہلِ بیتؑ کی روایات کے خلاف ہے۔ ایسی روایات بہت ساری ہیں، لیکن میں ان صفحات میں صرف ایک یا دو روایات پر اختصار کروں گا:

احمد بن محمد بن خالد البرقی نے محمد بن اسماعیل سے، جعفر بن بشیر سے، (ابی الحصین سے) ابی بصیر سے، امام ابو جعفرؑ اور امام ابو عبد اللہؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: (جب تمہارے پاس مرجئ، قدری یا حروری کی طرف سے کوئی حدیث آئے اور وہ اسے ہمیں منسوب کرے، تو تم حدیث کا انکار نہ کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے، شاید اس میں کچھ حق ہو، اور اگر تم اسے جھٹلا دو گے تو گویا تم اللہ کو اس کے عرش پر جھٹلا رہے ہو).[1]

بطورِ الزام، یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ہے، اور اس کے علاوہ بھی بہت ساری روایات ہیں جو انصارِ امام مہدیؑ سے طلب کی جا سکتی ہیں، کیونکہ یہاں ان سب کا تفصیلی ذکر کرنا اور ان کے راویوں کے تراجم بیان کرنا طولانی ہوگا۔

ایک اور صحیح سند کے ساتھ محمد بن یحییٰ نے عبد اللہ بن محمد سے، علی بن حکم سے، ابان بن عثمان سے، عبد اللہ بن ابی یعفور سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام ابو عبد اللہؑ سے اس حدیث کے اختلاف کے بارے میں پوچھا، جسے وہ شخص روایت کرتا ہے جس پر ہم اعتماد کرتے ہیں (ثقہ ہے) اور وہ لوگ بھی جو غیر

---

[1] - المحاسن، احمد بن محمد بن خالد برقی، ج 1، ص 230.

معتمد (غیر ثقہ) ہیں۔ امام ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: (اگر تمہارے پاس ایسی حدیث آئے، تو اگر اس کا کوئی گواہ کتاب اللہ یا قولِ رسول اللہؐ سے ملے، تو وہ حدیث قبول کرو، ورنہ وہ شخص جو حدیث لایا ہے، وہی اس کا زیادہ حق دار ہے).[1]

تو یہ متعصب لوگوں کا معیار ہے کہ کسی راوی کا ثقہ (قابلِ اعتماد) یا غیر ثقہ (غیر معتمد) ہونا ان کے نزدیک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ اہلِ بیتؑ کی یہ تعلیم ہے کہ کسی حدیث کو جھوٹا نہ کہا جائے اور جو حدیث (مرجئ)، (قدری) یا (حروری) روایت کرے، اسے بلا دلیل رد نہ کیا جائے۔ اور اہلِ بیتؑ روایتوں کو قبول کرنے کے لیے راوی کی وثاقت یا عدمِ وثاقت کو اصل معیار نہیں مانتے اور جیسا کہ بعض لوگ اسے بیان کرتے ہیں یہ ان کے کُبریٰ کا رد ہے، یعنی خود اصل مسئلہ شرعاً ثابت اور قابلِ اعتماد نہیں ہے، تو پھر رجال کے توثیقات و تضعیفات پر بحث تو بعد کی بات ہے۔

دوسری بات: کتبِ رجال میں تصحیف واقع ہوئی ہے

اگر کوئی شخص کتب رجال، بلکہ ان میں سے مشہور ترین کتابیں جیسے رجال الطوسی اور رجال النجاشی کا غور سے مطالعہ کرے، تو وہ دیکھے گا کہ یہ کتابیں تصحیف اور تحریف کا شکار ہو چکی ہیں۔ اسی طرح، ان میں سے بہت سے بیانات حقیقت سے دور ہے۔ مثال کے طور پر، النجاشی اپنے کتاب میں بعض ائمہؑ کے بہترین اصحاب جیسے جابر بن یزید، مفضل بن عمر، داود بن کثیر الرقّی، معلیٰ بن خنیس اور دیگر کو ضعیف قرار دیتا ہے، جبکہ ان کے حق میں متعدد اور متواتر روایات موجود ہیں جو ان کی بلند درجے کی مدح کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ، علمائے رجال کے درمیان تناقض بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ جیسے شیخ الطوسی کسی راوی کو موثق (قابل اعتماد) قرار دیتے ہیں، جبکہ النجاشی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ بلکہ، بعض اوقات، ایک ہی عالم کے اقوال میں تناقض پایا جاتا ہے، جیسا کہ شیخ الطوسی (رحمہ اللہ) کے بارے میں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر، سہل بن زیاد الرازی کے بارے میں شیخ الطوسی اپنی کتاب رجال الطوسی (صفحہ 381، نمبر 5699) میں لکھتے ہیں: (سہل بن زیاد الآدمی، کنیت ابو سعید، موثق ہے، اور رازی النسب ہے).

---

[1] علل الشرائع، شیخ صدوق، ج 2، ص 395.

لیکن جب ہم شیخ الطوسی کی دوسری کتاب الفہرست (صفحہ 140، نمبر 339) کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو وہی راوی سہل بن زیاد کے بارے میں لکھتے ہیں: (سہل بن زیاد الآدمی الرازی، کنیت ابو سعید، ضعیف ہے...).

اور اپنی بات کے مزید اثبات کے لیے، میں آپ کے سامنے چند اور مثالیں ذکر کرتا ہوں جو شیخ الطوسی اور شیخ النجاشی (رحمہما اللہ) کے درمیان تضاد کو واضح کرتی ہیں:

1. داود بن کثیر الرقّی:

شیخ الطوسی اپنی کتاب رجال الطوسی (صفحہ 329، نمبر 5003) میں لکھتے ہیں: (داود بن کثیر الرقّی، بنی اسد کا مولیٰ (ان کے قبیلہ سے منسلک)، ثقہ (قابل اعتماد) ہے).

شیخ النجاشی نے اپنی کتاب رجال النجاشی (صفحہ 156، نمبر 410) میں اسے یوں بیان کیا: (داود بن کثیر الرقّی... ضعیف ہے، اور غالی لوگ اس سے روایت کرتے ہیں۔ احمد بن عبد الواحد کا قول ہے: میں نے اس کی کوئی درست حدیث نہیں دیکھی).

جبکہ ہم امام صادقؑ سے منقول ایک روایت میں پاتے ہیں جس میں فرمایا: (داود الرقّی کو مجھ سے وہی نسبت دو، جو مقداد کو رسول اللہؐ سے تھی).[1]

2. محمد بن خالد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن علی البرقی:

شیخ طوسی نے اپنی کتاب الرجال (ص 349، نمبر 5391) میں کہا: (محمد بن خالد البرقی، ثقہ ہے، اور یہ امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب میں سے ہیں).

اور نجاشی نے اپنی کتاب الرجال (ص 322، نمبر 898) میں لکھا: (محمد بن خالد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن علی البرقی، ابو عبد اللہ... حدیث میں ضعیف تھا، لیکن ایک ادیب اور عرب کے علوم اور اخبار میں اچھی مہارت رکھنے والا تھا).

3۔ جعفر بن محمد بن مالک بن عیسیٰ بن سابور:

شیخ طوسی نے اپنی کتاب الرجال (ص 405، نمبر 6037) میں کہا: (جعفر بن محمد بن مالک، کوفی، ثقہ ہے، لیکن بعض لوگ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، اور اس نے امام قائمؑ کی ولادت کے بارے میں عجیب و غریب روایات نقل کی ہیں).

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 8، ص 405.

نجاشی نے الرجال (ص 119، نمبر 313) میں لکھا: (جعفر بن محمد بن مالک بن عیسیٰ بن سابور ... کوفی، ابو عبداللہ، حدیث میں ضعیف تھا۔ احمد بن حسین نے کہا کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور مجہول راویوں سے روایت کرتا تھا۔ اور میں نے سنا کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ وہ مذہب اور روایت دونوں میں فاسد تھا...).

4۔ معلیٰ بن خنیس:

شیخ طوسی نے اپنی کتاب الغیبۃ (ص 346) میں اسے ان ممدوحین میں ذکر کرتے ہوئے لکھا: (یہ امام جعفر صادقؑ کے قوّام (خاص خدمتگزاروں) میں سے تھا، اور انہی کی وجہ سے داود بن علی نے ان کو قتل کر دیا۔ اور وہ امامؑ کے نزدیک محمود (تعریف شدہ) تھا اور ان کے طریقے اور امر پر چلتا تھا، اور اس کا معاملہ (امر) معروف ہے).

نجاشی نے الرجال (ص 417، نمبر 1114) میں لکھا: (معلیٰ بن خنیس: ابو عبداللہ، امام جعفر صادقؑ کا مولی (ان کے قبیلہ سے منسلک) تھا، اس سے قبل یہ بنی اسد کا مولی (ان کے قبیلہ سے منسلک) تھا۔ کوفی، کپڑے کا تاجر، حدیث میں بہت ہی ضعیف تھا، اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا).

جبکہ ایک ایسی روایت موجود ہے جو خود محقق خوئی کے اعتراف کے مطابق صحیح ہے:

اسماعیل بن جابر کہتے ہیں: (میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مکہ میں مقیم (رہائش پذیر) تھا۔ امامؑ نے مجھ سے فرمایا: اے اسماعیل، باہر جاؤ اور مرّ و عسفان جاکر معلوم کرو کہ مدینہ میں کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں؟ پس میں نکلا اور مرا پہنچا، لیکن وہاں مجھے کوئی نہ ملا۔ پھر میں عسفان کی طرف گیا، مگر وہاں بھی کوئی نہ ملا، پھر میں واپس روانہ ہوا... عسفان سے جب میں نکلا تو مجھے ایک قافلہ ملا جو عسفان سے تیل لے جا رہا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: "کیا مدینہ میں کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، سوائے اس کے کہ اس عراقی کو قتل کر دیا گیا ہے جسے معلیٰ بن خنیس کہا جاتا تھا. اسماعیل کہتے ہیں: میں فوراً امام جعفر صادقؑ کے پاس واپس لوٹ آیا، اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اے اسماعیل! کیا معلیٰ بن خنیس قتل ہو گیا؟ میں نے کہا: 'جی ہاں۔ امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم، وہ جنت میں داخل ہو چکا ہے).

اور اس جیسی بہت سی معتبر روایات موجود ہیں، مگر نجاشی نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور محض سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لیا!!!

5. حسن بن حسین لؤلؤی :

شیخ طوسی نے اپنی کتاب "الرجال" صفحہ 405، حدیث نمبر 6110 میں لکھا: (حسن بن حسین اللؤلؤی نے، محمد بن احمد بن یحییٰ سے روایت نقل کرتا تھا، اور ابن بابویہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے).

نجاشی نے اپنی کتاب "الرجال" صفحہ 34، حدیث نمبر 83 میں لکھا: (حسن بن حسین اللؤلؤی، کوفی، ثقہ اور کثیر الروایہ تھا، اس کی ایک کتاب مجموع نوادر رہے).

6. محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین :

نجاشی نے اپنی کتاب "الرجال" صفحہ 333، حدیث نمبر 896 میں لکھا: (محمد بن عیسیٰ بن عبید: بن یقطین بن موسیٰ، جو اسد بن خزیمہ کا مولیٰ (ان کے قبیلہ سے منسلک) تھا، ابو جعفر (کنیت)، وہ ہمارے اصحاب میں سے ایک جلیل القدر، ثقہ، قابل اعتماد، کثیر الروایہ (بہت زیادہ روایت کرنے والا) اور تصنیفی کام میں اعلی معیار اور مہارت تھی۔ اس نے ابو جعفر ثانی (امام محمد تقیؑ) سے مکتوب اور براہ راست طور پر احادیث روایت کیں.

ابو جعفر ابن بابویہ نے ابن ولید سے نقل کیا کہ وہ کہا کرتے تھے: محمد بن عیسیٰ نے جو کچھ یونس کی کتابوں اور اس کی احادیث سے منفرد طور پر نقل کیا ہے، ان کی حدیث پر اعتماد نھیں کیا جا سکتا۔

اور میں نے ہمارے اصحاب کو اس قول کا انکار کرتے ہوئے دیکھا، اور وہ کہتے ہیں: ابو جعفر محمد بن عیسیٰ جیسا کون ہو سکتا ہے؟ وہ بغداد میں رہتے تھے.

اور ابو عمرو کشی نے بھی ذکر کیا ہے: کہ نصر بن صباح نے کہا: محمد بن عیسی بن عبید بن یقطین، عمر میں ابن محبوب سے چھوٹے ہیں، لہٰذا ان سے روایت نہیں کر سکتے.

ابو عمرو نے کہا: قتیبی نے کہا: فضل بن شاذان (رحمت اللہ علیہ) العبیدی کو پسند کرتے تھے، ان کی تعریف کرتے تھے، ان کی مدح کرتے تھے اور ان کی طرف مائل تھے، اور کہتے تھے: ان کے ہم عصر میں ان جیسا کوئی نہیں ہے اور فضل (رحمہ اللہ) کا یہ تعریف کافی ہے).

شیخ طوسی نے اپنی کتاب "الفہرست" میں صفحہ 216، نمبر 611 پر کہا: (محمد بن عیسی بن عبید یقطینی، ضعیف ہیں، ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ نے نوادر حکمت کے رجال میں سے انہیں استثنا کیا، اور کہا: میں وہ حدیثیں نقل نہیں کرتا جو صرف ان کی روایات پر مشتمل ہو، اور کہا گیا کہ وہ غالیوں کا مکتبہ فکر اختیار کرتے تھے).

پھر شیخ طوسی نے اپنی کتاب "رجال" میں (اصحاب امام ھادیؑ) صفحہ 391، نمبر 5758 پر کہا: (محمد بن عیسی بن عبید یقطینی، یونسی، علماء قم کا قول کے مطابق ضعیف ہیں).

اور پھر اپنی کتاب رجال میں کہا (جنھوں نے ائمہؑ سے روایت نہیں کی) صفحہ 448، نمبر 6361: (محمد بن عیسی یقطینی، ضعیف ہیں).

۷. عمار بن موسی الساباطی:

شیخ نجاشی نے اپنی کتاب "رجال" میں صفحہ 283، نمبر 779 پر کہا: (عمار بن موسی الساباطی ابو الفضل مولی، اور ان کے بھائی قیس اور صباح، ابو عبد اللہؑ اور ابو حسنؑ سے روایت کرتے تھے، اور وہ روایت میں ثقہ (معتبر) تھے...).

شیخ طوسی نے "الاستبصار" جلد 1 صفحہ 372، حدیث 1413 میں کہا: (... عمار الساباطی، ضعیف ہیں، فاسد المذہب ہیں، ان کی روایات پر عمل نہیں کیا جاتا...).

اور اس سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رجال کی کتابوں میں کتنی اضطراب، وہم اور تضاد پایا جاتا ہے، افسوس ہے کہ اس طرح کی کتابوں پر دل کو کیسے اطمینان حاصل ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ یہ اہل بیتؑ کی روایات سے کئی جگہوں پر متناقض ہیں؟! "اور یہ تو محض کچھ مثالیں ہیں جو میں نے اختصار کے ساتھ ذکر کی ہیں، جبکہ پوشیدہ حقائق اس سے کہیں زیادہ اہم اور گہرے ہیں.

تیسری بات: توثیق و تضعیف میں بہت زیادہ نرمی برتی گئی ہے

جو شخص بھی "رجال" کی کتابوں میں توثیق اور تضعیف کے اسناد پر غور کرے گا، وہ دیکھے گا کہ اس پر اعتماد کرنے میں بہت زیادہ تسامح (بڑی نرمی یا وسیع درگزر) پاتا ہے، وہ لوگ روایات کی اسناد کو ایک ایک راوی کے لحاظ سے باریک بینی سے جانچتے ہیں، اور اس بات کا دھیان رکھتے ہیں کہ سند متصل ہو، منقطع نہ ہو اور ہر راوی کی وثاقت بھی ثابت ہو، بلکہ وہ کشّی کے رجال، اور اس کے بیان کردہ معصومینؑ کے اقوال جو رجال کی توثیق یا تضعیف کے حوالے سے ہیں، سخت تحقیق کرتے ہیں اور اگر وہ پاتے ہیں کہ کسی روایت میں سند میں ارسال یا ضعیف راوی شامل ہے، تو وہ اس پر اعتماد نہیں کرتے اور وہ اس کی اہمیت کو کم کرتے ہیں، بلکہ مثال طور پر کچھ لوگ تو نجاشی کی باتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور معصومینؑ سے صحیح روایات کو چھوڑ دیتے ہیں

حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ علماءِ رجال کے اقوال کو بلا کسی تحقیق کے قبول کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اسناد سے بھی واقف نہیں ہوتے! بلکہ بعض اوقات وہ ان اقوال کو معصومینؑ سے مروی مستند اور صحیح روایات پر ترجیح دے دیتے ہیں، چاہے وہ کسی شخص کی تعریف یا مذمت سے متعلق ہوں!

توثیقات اور تضعیفاتِ رجالیہ یا تو علماءِ رجال کی رائے، اجتہاد اور قیاس پر مبنی ہوتی ہیں، یا انہیں نقل کی گئی ہوتی ہیں۔ جہاں تک رائے اور اجتہاد کی بات ہے، تو اس پر اعتماد نہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، خاص طور پر جب ہمیں اس میں ان کی بارہا غلطیوں کا علم ہو چکا ہو۔

اور اگر یہ اقوال انہیں کہیں سے منقول ہوئے ہیں، تو وہ یا تو اہلِ بیتؑ سے نقل کیے گئے ہوں گے، یا کسی ایسے شخص سے جو اہلِ بیتؑ کے پیروکاروں میں شمار ہوتا ہو، یا پھر ایسے افراد سے جو اہلِ بیتؑ سے منسوب نہیں۔ جو کچھ اہلِ بیتؑ کے علاوہ کسی اور سے نقل کیا گیا ہو، وہ ہم پر حجت نہیں، خاص طور پر جب ہمیں ان اقوال کو نقل کرنے والے افراد کے راویوں کے سلسلہ، ان کے جرح و تعدیل کے معیار اور ان کے رجالی طریقہ کار کا علم ہی نہ ہو۔ ضروری ہے کہ ہم جانیں کہ مثلاً نجاشی یا طوسی نے کس شخص سے نقل کیا، وہ شخص جو نجاشی اور طوسی سے نقل کیا ہے وہ کس سے نقل کیا ہے اسی طرح ہم ان افراد تک پہنچتے ہیں جو ائمہ کے اصحاب یا حدیث کے راویوں میں شامل ہیں، پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ان راویوں کو کس طرح توثق کیا یا تضعیف کیا، اور ان کا طریقہ کیا تھا؟ کیا یہ ظن، اجتہاد اور حدس (اندازہ) تھا یا کچھ اور؟

جہاں تک علماءِ رجال کو اہلِ بیتؑ سے منقول اقوال کا تعلق ہے، تو ان کی مکمل سند کا بھی علم ہونا ضروری ہے، اور یہ بھی دیکھا جائے کہ کہیں اس میں ارسال، کسی مجہول شخص یا ضعیف راوی کی موجودگی تو نہیں۔ یہ سب باب الزام سے ہے، ورنہ ایسا کیوں ہے کہ روایات کی اسناد میں اتنی باریک بینی کی جاتی ہے، لیکن توثیقات اور تضعیفات کے معاملے میں اس دقتِ نظر کو چھوڑ دیا جاتا ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ کتبِ رجال، خصوصاً نجاشی، طوسی اور ابن الغضائری کی کتابوں میں، یا تو سند موجود ہی نہیں، یا انتہائی نایاب ہے، اور ان میں دیے گئے اقوال، علمی تنقید کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہاں، جو افراد وثاقت یا ضعف میں مشہور ہو چکے ہیں، وہ ایک الگ معاملہ ہے، لیکن ان کا حال بیان کرنا فقط کتبِ رجال کی خصوصیت نہیں، بلکہ ان کی شخصیت کا علم ہمیں روایات، سیرت اور تاریخ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔

اور ان کا سب سے بڑا ماخذ، خاص طور پر شیخ طوسی کے لیے، احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ الزیدی الجارودی کی کتاب "الرجال" ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے امام صادق ؑ کے چار ہزار ثقہ راویوں کو جمع کیا۔ ابن عقدہ اگرچہ موثق تھا، لیکن اس کا توثیق بھی علم رجال کے ذریعہ ہی ہے۔ اس کے علاوہ، وہ زیدی جارودی تھا اور اسی عقیدے پر وفات پائی، جیسا کہ شیخ طوسی نے ذکر کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں ابن عقدہ کی ان توثیقات اور تضعیفات کا سلسلہ سند اور طریقہ معلوم نہیں کہ آیا اس کے پاس کوئی مستند سند تھی یا نہیں، یا اس کے سند میں موجود راوی ثقہ تھے یا نہیں؟!

ابن عقدہ امام صادقؑ کے ہم عصر نہیں تھا اور نہ ہی ان کے اصحاب کے زمانے میں تھا، کیونکہ امام صادقؑ سن 184 ہجری میں وفات پا گئے، جبکہ ابن عقدہ کی ولادت شیخ طوسی کے مطابق سن 249 ہجری میں ہوئی۔ یعنی امام صادقؑ کی وفات اور ابن عقدہ کی پیدائش کے درمیان 65 سال کا فاصلہ ہے، لہٰذا وہ نہ تو امامؑ کا ہم عصر تھا

اور نہ ہی ان کے اصحاب کا۔ پس ضروری ہے کہ اس نے ان توثیقات کو دوسروں سے نقل کیا ہو، اور اسی بنیاد پر ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ ابن عقدہ نے یہ توثیقات کس سند سے نقل کیں، اور آیا وہ راوی ثقہ تھے یا نہیں، تاکہ ان پر بھروسہ کیا جاسکے اور انہیں حجت سمجھا جاسکے، جیسا کہ ان کے اصول و قواعد کے مطابق ہوتا ہے۔

بلکہ خود شیخ طوسی کا ابن عقدہ کی کتب تک پہنچنے والا سلسلہ، رجال طوسی یا نجاشی میں، اس کی وثاقت پر تصریح نہیں کی گئی، یہ سلسلہ (احمد بن محمد بن موسیٰ اہوازی) کے ذریعے نقل ہوا ہے، اور اس پر اعتماد کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نجاشی کے شیوخ میں سے تھا۔ مگر خود نجاشی نے ابن عقدہ کی کتابوں کا ذکر کرتے وقت ان تک اپنا طریقہ (سند) معین نہیں کیا، بلکہ صرف اتنا کہا: (...یہ وہ کتابیں ہیں جن کا ذکر ہمارے اصحاب اور دیگر اُن لوگوں نے کیا ہے جنہوں نے ابن عقدہ سے ہمارے لیے روایت کی ہے...). نجاشی کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کتابوں تک اس کا واسطہ بعض اہلِ عامہ اور بعض اہلِ تشیع سے تھا۔ لہٰذا ہمیں ان واسطوں کے نام اور ان کی وثاقت کی ضرورت ہے، پھر ان کی توثیق اور اس کے طریقہ کار کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس کے بعد یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ ابن عقدہ نے اپنی کتبِ رجال میں درج توثیقات اور تضعیفات کے لیے کن رجال پر اعتماد کیا ہے۔ اور اس کا ثابت کرنا انتہائی مشکل کام ہے، اور اس کا ثابت کرنا کانٹوں کو تراشنے کے مترادف ہے۔

ہاں، یہ گفتگو کئی پہلو رکھتی ہے اور شاید بہت سے لوگوں کو حیران کر دے، لیکن یہی وہ تلخ حقیقت ہے جو عام لوگوں سے پوشیدہ رہی۔ اور وہ لوگ جو صرف کتبِ رجال پر انحصار کرنے کا دم بھرتے ہیں، درحقیقت وہ اپنی ہی ہلاکت اور رسوائی کو تھامے ہوئے ہیں، جبکہ وہ اسے حجت اور دلیل سمجھتے ہیں۔ پس، اب وہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کریں، ان کی زبانیں گنگ ہو جائیں، ان کے منہ بند کر دیے جائیں، اور وہ اپنے سروں کو زمین میں دبا دیں۔

اور انہوں نے اپنے دعوے کو کبری اور صغری کے لحاظ سے، جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں، غلط ثابت کیا ہے، یعنی یہ مسئلہ اپنے مفہوم اور اصل میں اہل بیتؑ کے منہج کے مطابق نہیں ہے، اور نہ ہی اپنے مصداق میں اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یا اسے روایات کو قبول کرنے یا رد کرنے کی حجت قرار دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔

چوتھی بات: توثیق اور جرح کو صرف کتبِ رجال تک محدود سمجھنا درست نہیں

اور حتیٰ کہ اگر ہم اس سے صرفِ نظر کر لیں جو پہلے بیان کیا گیا —اور ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے، تب بھی توثیق یا تضعیفِ رجال کو صرف علمِ رجال کی کتب، جیسے رجال النجاشی اور رجال الطوسی (اپنی کتاب رجال اور فہرست میں) تک محدود نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ انہوں نے تمام رواۃ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ شاید دس فیصد رواۃ کا بھی ذکر نہیں کیا۔

کتاب رجال النجاشی بنیادی طور پر کتب و اصول کے مصنفین کے لیے ہے، یعنی صرف مصنفین کی حالت اور ان کے ناموں کی تفصیل فراہم کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ اس کے باوجود خود النجاشی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ تمام راویوں اور تمام کتب کا احاطہ نہیں کر سکے۔ یہ النجاشی کے اپنے الفاظ ہیں:

(امابعد! میں نے سید شریف (اللہ ان کی عمر دراز کرے اور ان کی توفیقات کو جاری رکھے) کے بیان پر غور کیا، جس میں ہمارے مخالفین میں سے کچھ لوگوں کا طعن ہے کہ تمہارا کوئی پیشرو (سلف) نہیں اور نہ ہی کوئی مصنف ہے۔ یہ بات ایسے شخص کا قول ہے جسے لوگوں کے بارے میں کوئی علم نہیں، جس نے ان کی خبریں نہیں دیکھیں، نہ ان کے مراتب اور اہلِ علم کی تاریخ کو جانا، نہ ہی کسی سے ملاقات کی تاکہ اس سے معلوم کرے، اور جو شخص نہ جانتا ہو اور نہ واقف ہو، اس کا قول ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔

میں نے اس میں سے جو کچھ ممکن تھا، جمع کیا، لیکن میں اپنی مطلوبہ حد تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ اکثر کتابیں موجود نہیں تھیں۔ میں نے یہ بات صرف اس لیے ذکر کی ہے تاکہ جس کے ہاتھ کوئی ایسی کتاب پہنچے جس کا میں نے ذکر نہیں کیا، وہ میرے ذکر نہ کرنے کو عذر نہ سمجھے). [1]

نجاشی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی مقصد اپنی کتاب میں مؤلفین کی تعداد اور ان کے حالات کو تاریخی توثیق کے طور پر ذکر کرنا تھا تاکہ اہلِ عامہ اور ان جیسے دیگر لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا جا سکے، نہ یہ کہ اس کتاب کو روایات کے قبول یا رد کرنے میں ایک قطعی حجت بنایا جائے جو کسی بھی باطل سے محفوظ ہو۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے تقریباً صرف (1269) مؤلفین کے اصحاب کو ذکر کیا ہے، جو کہ آنے والے رجال اور رواۃ کی تعداد کے مقابلے میں انتہائی قلیل ہے۔

---

[1] - رجال النجاشی، ص 3

اور جہاں تک شیخ طوسی کی کتاب "الفہرست" کا تعلق ہے، تو یہ بھی رجال میں سے مؤلفین کا ذکر کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، اور انہوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ تمام مؤلفین کا احاطہ نہیں کر سکے۔ اور یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

(امابعد، جب میں نے اپنی جماعت کے بعض مشائخ (بزرگوں)، جو ہمارے محدثین میں سے ہیں، کو دیکھا کہ انہوں نے ہمارے اصحاب کی کتابوں اور ان کی تصنیفات کا فہرست مرتب کیا، اور جو اصول انہوں نے روایت کیے، انہیں ذکر کیا، لیکن میں نے کسی کو نہیں پایا کہ اس نے اس کام کو مکمل طور پر انجام دیا ہو یا اس کا اکثر حصہ ذکر کیا ہو۔ بلکہ ہر ایک کا مقصد صرف وہی کتابیں بیان کرنا تھا، جو اس نے خود روایت کیا یا اس کی لائبریری میں محفوظ تھیں۔ کسی نے بھی تمام کتب کو مکمل طور پر جمع کرنے کی کوشش نہیں کی، سوائے ابوالحسین احمد بن الحسین بن عبید اللہ (رحمتہ اللہ علیہ) کے، جنہوں نے دو کتابیں مرتب کیں: ایک میں تصنیف شدہ کتابوں کا ذکر کیا، اور دوسری میں اصول کو درج کیا، اور جہاں تک وہ پہنچ سکے، انہوں نے اسے مکمل کرنے کی کوشش کی. لیکن یہ دونوں کتابیں ہمارے کسی ساتھی نے نقل نہیں کیں، اور وہ (رحمتہ اللہ علیہ) دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے بعض ورثاء نے ان دونوں کتابوں اور دیگر کئی کتابوں کو ضائع کر دیا، جیسا کہ بعض افراد سے اس بارے میں نقل کیا گیا ہے... یہاں تک کہ وہ کہتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مکمل کرنا آسان کر دے، تو اس کے ذریعے تصنیفات اور اصول کی بڑی تعداد سامنے آ جائے گی اور اس سے کئی رجال اور ان کے طریقوں کو جاننے کا موقع ملے گا۔ میں نے یہ ضمانت نہیں دی کہ میں تمام کا احاطہ کر سکوں گا، کیونکہ ہمارے اصحاب کی تصنیف شدہ کتابوں اور اصول کو مکمل طور پر شمار کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ہمارے اصحاب دنیا کے مختلف ممالک اور دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن، میں اپنی پوری کوشش کروں گا اور جہاں تک ممکن ہو سکے، اسے مکمل کرنے کی کوشش کروں گا، اپنی استطاعت اور حد تک...).[1]

اور کتاب الفہرست میں شیخ طوسی نے تقریباً صرف (۹۱۲) مؤلفین یا مصنفین کا ذکر کیا ہے، اور یقیناً ان میں سے اکثر، اگر یہ نہ کہیں کہ سبھی، وہی ہیں جنہیں نجاشی نے اپنی کتاب "رجال" میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] - الفہرست، شیخ طوسی، ص 31 - 33.

جبکہ کتاب "رجال الطوسی" میں، انہوں نے صرف (٦٤٢٩) راویوں کا ذکر کیا ہے کتاب کی ترقیم کے مطابق (کتاب کی نمبرنگ کے مطابق)، اور ان میں سے بہت سے، بلکہ اکثر کے بارے میں توثیق یا تضعیف کا ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف ناموں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے.[1]

یہ تعداد بہت کم ہے، خاص طور پر جب ہمیں معلوم ہو کہ رسول اللہؐ کے صحابہ یا وہ لوگ جو ان سے ملے یا ان سے روایت کی، شیخ طوسی نے جتنے ذکر کیے ہیں ان سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کی وفات کے وقت (114,000) صحابہ موجود تھے[2]، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سب نبی کو دیکھ چکے تھے، ان کی بات سنی اور ان سے روایت کی.[3] یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیعتِ غدیر میں حاضر ہونے والے افراد کی تعداد 100,000 یا اس سے زیادہ تھی۔ شیخ جعفر سبحانی نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے جن کے نام درج کیے گئے ہیں، وہ تقریباً (15,000) صحابہ ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: "ان کے ناموں میں سے درج شدہ تعداد پندرہ

---

1 - بلکہ جو کوئی شیخ طوسی کے رجال پر نظر ڈالے، وہ جان لے گا کہ یہ دراصل رواۃ کے طبقات کی کتاب ہے، نہ کہ جرح (راوی کی کمزوری) و تعدیل (راوی کی ثقہ ہونا) کی کتاب۔ کیونکہ اس میں رسول اکرمؐ اور ائمہؑ کے ساتھ روایت کرنے والوں یا صحبت اختیار کرنے والوں کی تعداد (5919) تک پہنچتی ہے—جو کہ مکررات کے ساتھ ہے—اور ان میں سے وہ افراد جن کے وثاقت، مدح یا نقل میں ضعف کا استفادہ کیا جا سکتا ہے، صرف (312) ہیں —وہ بھی مکررات کے ساتھ۔ جبکہ وہ افراد جن کا محض نام ذکر کیا گیا ہے یا ان کے بارے میں ایسا کچھ نہیں بتایا گیا جو ان کی روایت کے اعتبار یا عدم اعتبار کو واضح کرے، ان کی تعداد (5607) ہے، یعنی یہ تمام افراد مجہول الحال کے حکم میں آتے ہیں۔ تو پھر اس کتاب کا کیا فائدہ باقی رہ جاتا ہے؟ خصوصاً جب ہمیں معلوم ہو کہ ان افراد میں سے اکثر یا تمام وہ ہیں جن کا وثاقت یا ضعف کا تذکرہ کتاب الفہرست یا رجال النجاشی میں بھی کیا گیا ہے۔ لہٰذا، کتاب (رجال الطوسی) کی حیثیت عدم وجود کے برابر ہے... اللّٰھمّ مگر یہ کہ اسے رجال کی طبقات کے تعین میں مفید سمجھا جائے!

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض علماء نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ یہ کتاب در حقیقت نامکمل یادداشتوں پر مشتمل تھی، جیسا کہ شیخ جعفر سبحانی نقل کرتے ہیں:

(ہمارے سید محقق بروجردی فرمایا کرتے تھے: "شیخ طوسی کی کتاب الرجال در حقیقت ان کی اپنی یادداشتیں تھیں، جنہیں مکمل کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کئی نام ذکر کیے ہیں، مگر ان کے بارے میں وثاقت یا ضعف، یا ان کی کتابوں اور روایات کے متعلق کچھ نہیں کہا، بلکہ محض انہیں رسول اکرمؐ اور ائمہؑ کے اصحاب میں شمار کر دیا ہے") کلیات فی علم الرجال، ص 69.

2 -مثال کے طور پر، رجوع کریں (لیکن صرف انہیں تک محدود نہیں): -الصراط المستقیم، علی بن یونس العاملی، ج 3، ص 38؛ وصول الأخیار إلی إصول الأخبار، والد بہائی عاملی، ص 162؛ نہایۃ الدرایۃ، سید حسن الصدر، ص 341؛ الرعایۃ فی علم الدرایۃ، شہید ثانی، ص 345؛ رجال الخاقانی، شیخ علی خاقانی، ص 109؛ إعیان الشیعۃ، سید محسن الأمین، ج 1، ص 113.

3 - رجوع کریں (وَرَکِبتُ السَّفِیہۃ) مروان خلیفات سے، ص 160 .

ہزار سے تجاوز نہیں کرتی.[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ سے روایت کرنے والے (1,565) افراد تھے.[2] بہر حال، اگر ہم (114,000) میں سے (50,000) کو نکال دیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ نبی کے ساتھ کم وقت رہے ہوں اور ان سے روایت نہ کر سکے ہوں، یا ان میں بچے اور عورتیں شامل ہوں جو روایت کے اہل نہ ہوں، تو باقی تعداد (64,000) بنتی ہے۔

اور اگر ہم باقی ماندہ (64,000) میں سے مزید (34,000) کو نکال دیں، اس امکان کی بنا پر کہ کچھ افراد نبی اکرم ؐ سے دوری کی وجہ سے قابلِ توجہ نہ رہے ہوں، یا انہوں نے صرف ایک یا دو حدیثیں روایت کی ہوں یا کسی اور وجہ سے، تب بھی ہمارے پاس (30,000) باقی بچتے ہیں اور اگر ہم محض بحث کے طور پر یہ فرض کر لیں کہ نبی اکرمؐ سے روایت کرنے والوں کی تعداد (3,000) ہی تھی، تو پھر ان کی سوانح کہاں ہیں؟ شیخ طوسی نے اپنی کتاب "رجال" میں نبی اکرمؐ کے اصحاب میں سے صرف (468) راویوں کا ذکر کیا ہے!!!!!

اور یہاں خطرے کی گھنٹی زور سے بجتی ہے، خاص طور پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ متاخرین میں سے ایک، یعنی محقق خوئی نے اپنی کتاب معجم رجال الحدیث میں (15,706) راویوں کو شمار کیا ہے، جو رسول اللہؐ اور تمام ائمہؑ سے روایت کرنے والے اور وہ جو انؑ سے روایت نہیں کرتے تھے، دونوں کو شامل کرتے ہیں، جیسا کہ کتاب کی نمبرنگ کے مطابق ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ طوسی کے رجال کی مجموعی تعداد، چاہے وہ ائمہ سے روایت کرنے والے ہوں یا نہ ہوں، ثقہ ہوں یا غیر ثقہ، اس سے کہیں کم ہے۔

اور یہاں خطرے کی گھنٹی زور سے بجتی ہے، خاص طور پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ متأخرین میں سے ایک، یعنی محقق خوئی، نے اپنی کتاب معجم رجال الحدیث میں (15,706) راویوں کو شمار کیا ہے، چاہے وہ رسول اکرمؐ اور تمام ائمہؑ سے روایت کرنے والے ہوں یا وہ جو ان سے روایت نہ کر سکے ہوں، یہ تعداد کتاب کی ترقیم کے مطابق ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ طوسی کے رجال کی مجموعی تعداد، چاہے وہ ائمہؑ سے روایت کرنے والے ہوں یا نہ ہوں، اور چاہے وہ ثقہ ہوں یا غیر ثقہ، تقریباً (6,429) ہے۔ پس اگر ہم شیخ طوسی کے رجال کی مجموعی تعداد کو معجم خوئی کی مجموعی تعداد سے نکال دیں تو نتیجہ درج ذیل ہوگا:

---

[1] - رسائل ومقالات، ص 401 .

[2] - رجوع کریں (وَرَكِبْتُ السَّفِينَة) مروان خلیفات سے، ص 161.

15,706 - 6,429 = 9,277 راوی جن کا شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجال میں نہ تو جرح و تعدیل کے ساتھ ذکر کیا، نہ ہی ان کا نام تک لیا!! اور اگر ہم نرمی برتیں اور احتمالًا رجال خوئی میں مکرر ہونے کی صورت میں (2,000) راویوں کو کم کر دیں، تب بھی (7,277) راوی ایسے باقی بچتے ہیں جنہیں شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجال میں سرے سے ذکر ہی نہیں کیا!!!

بلکہ کچھ لوگوں نے معجم رجال الخوئی اور دیگر کتب پر بھی استدراک (کمی کو پورا کرنا) کیا ہے اور بہت سے راویوں کا ذکر کیا ہے جنہیں محقق الخوئی نے ذکر نہیں کیا!!

اسی حوالے سے شیخ علی النمازی الشاہرودی کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کتب پر ایک وسیع استدراک کیا ہے اور کئی ناموں کا اضافہ کیا ہے، جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

1. ابراہیم: (286) ایسے افراد کا اضافہ کیا جن کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔
2. احمد: (840) ایسے افراد کا اضافہ کیا جن کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔
3. محمد: (1370) ایسے افراد کا اضافہ کیا جن کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔
4. حسن: (426) ایسے افراد کا اضافہ کیا جن کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔
5. حسین: (334) ایسے افراد کا اضافہ کیا جن کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔

پھر شیخ علی نمازی نے کہا: اور اسی طرح دیگر ناموں میں بھی.[1]

اگر ہم شیخ علی نمازی کی جانب سے کیے گئے اضافے کو شیخ طوسی کے رجال اور معجم الخوئی کے درمیان فرق میں شامل کریں تو نتیجہ انتہائی بڑا ہوگا۔ فرض کریں کہ نمازی نے کم از کم (7000) افراد کا اضافہ کیا ہو، کیونکہ انہوں نے صرف پانچ ناموں میں (3256) افراد کا اضافہ کیا، تو باقی ناموں میں کیا صورتحال ہوگی؟ تو نتیجہ کچھ یوں ہوگا:

7,277 + 7,000 = 14,277 روات ایسے ہیں جن کا ذکر شیخ طوسی (رحمہ اللہ تعالی) کی رجال کی کتاب میں نہیں کیا گیا۔

یقیناً، یہ ایک بہت بڑی تعداد ہے، اور یہ ناقابلِ معافی جسارت ہوگی کہ ان تمام روات کو مجہول یا ضعیف قرار دے کر ان پر اعتماد نہ کیا جائے۔ ان کا کیا قصور ہے اگر شیخ طوسی انہیں بھول گئے یا ان کے بارے میں خبر نہ رکھ سکے؟!

---

[1] - مستدرکات علم رجال الحدیث، نمازی شاہرودی، ج 1، ص 6

اور رسول اللہؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ کا کیا قصور ہے کہ ان کی روایات صرف اس بنیاد پر رد کر دی جائیں کہ علماءِ رجال نے ان کے راویوں کا ذکر نہیں کیا؟؟!!!

اسی وجہ سے بہت سے متاخرین نے علمِ رجال میں مستدرکات (کمی کو پورا کرنا) مرتب کیں اور ان راویوں کی توثیق کی جتنی وہ کر سکتے تھے، جن پر پہلے کسی نے صراحت نہیں کی تھی۔ ان میں سے بعض نے ایسے قرائن اور شواہد کا استعمال کیا جو ان راویوں کی وثاقت کو ثابت کرتے ہیں جن کی توثیق متقدمین نے واضح طور پر بیان (نص) نہیں کی تھی۔

مثال کے طور پر، بعض علماء نے یہ ترجیح دی یا صراحتاً کہا کہ امام صادقؑ کے تمام اصحاب موثق ہیں، سوائے ان کے جن کی کمزوری ثابت ہو چکی ہو۔ اس کی بنیاد اس امر پر رکھی گئی کہ سب علماء نے تصریح کی ہے کہ امام صادقؑ کے (4000) اصحاب ثقہ تھے۔

اور بہر حال، اگر ہم صرف ان راویوں کی تعداد کو مد نظر رکھیں جنہیں محقق خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ذکر کیا ہے، اور وہ 15,706 ہیں، اور اگر ہم ان میں وہ راوی بھی شامل کریں جنہیں شیخ علی نمازی شاہرودی نے مستدرکات علم رجال الحدیث میں اضافہ کیا ہے، جو کہ کم از کم 7,000 راوی ہیں، تو کل راویوں کی تعداد 22,706 بنتی ہے۔ اب اگر ہم احتیاطاً 2,706 راویوں کو خارج کر دیں تاکہ ممکنہ تکرار، اشتراک، غلطی یا دیگر وجوہات کو مد نظر رکھا جا سکے، تو باقی تعداد 20,000 راویوں کی رہ جاتی ہے۔ ان میں سے رجال النجاشی میں صرف 1,269 راوی درج ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ 18,731 راوی رجال النجاشی میں مذکور ہی نہیں!!! یہ ایک نہایت بڑی تعداد ہے، تو پھر کوئی کیسے یہ کہہ سکتا ہے کہ کسی راوی کی روایت کو صرف اس بنیاد پر مسترد کر دیا جائے کہ اس کی توثیق نجاشی، طوسی یا ان جیسے دیگر علماء نے نہیں کی؟!!!

اعلیٰ ترین اندازے کے مطابق، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیخ طوسی اور شیخ نجاشی نے صرف تہائی راویوں کا تذکرہ کیا ہے، تو باقی دو تہائی راویوں کا کیا قصور ہے، جنہیں وہ شامل نہ کر سکے، یا انہیں بھول گئے، یا کسی اور وجہ سے ذکر نہیں کیا؟!!

اور کوئی بھی شخص، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تقویٰ ہو، ہزاروں راویوں پر یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ وہ ضعیف ہیں یا ان کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، صرف اس بنیاد پر کہ شیخ طوسی اور نجاشی نے ان کی وثاقت کا صراحتاً ذکر نہیں کیا۔

پھر ان کا بنیادی ماخذ امام صادقؑ کے راویوں کی توثیق میں رجال ابن عقدہ ہے۔ تو کیا ہم اپنی گردنیں ابن عقدہ زیدی جارودی کے ہاتھ میں دے دیں کہ جسے وہ ثقہ کہے، ہم بھی اسے ثقہ مان لیں، اور جسے وہ وثاقت نہ دے، ہم اسے مجہول یا ضعیف قرار دے دیں؟؟؟!!!

پھر ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ابن عقدہ نے ان راویوں کی توثیق اپنے حدس اور اجتہاد کی بنیاد پر کی ہے یا کسی نقل کے ذریعے؟ اگر اس نے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا ہے تو یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے، اور اگر اس نے نقل کے ذریعے کیا ہے تو اس کا طریقہ اور سند کیا ہے؟؟!!

اور بہر حال، کتاب رجال النجاشی ہر گز کافی نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں دسواں حصہ کا نصف بھی راویوں کا ذکر نہیں ہوا، بلکہ خود نجاشی نے واضح طور پر کہا ہے کہ وہ صرف اصحابِ کتب کا ذکر کرتا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ وہ سب کو شامل نہیں کر سکا۔ اسی طرح شیخ طوسی کا بھی تمام راویوں کا احاطہ نہ کر پانا بالکل واضح ہے، اور اور جتنا کچھ شیخ طوسی نے احاطہ کیا، اس کا تناسب ان راویوں کے مقابلے میں جن کا وہ احاطہ نہ کر سکا، بہت ہی کم ہے، جیسا کہ پہلے وضاحت ہو چکی ہے!!

پانچویں بات: علماءِ رجال معصوم نہیں ہیں

میری پوری عزت، قدر اور فخر کے باوجود، شیخ طوسی، نجاشی اور ان جیسے دیگر مخلص اور محنتی علمائے کرام معصوم نہیں ہیں، اور ان سے غلطی، اشتباہ، وہم، سہو اور نسیان وغیرہ کا صدور ممکن ہے۔ علمی تنقید کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ کسی کی بے ادبی کی جائے یا اس پر زیادتی کی جائے۔ بڑے بڑے علماء نے علمِ رجال کی کتابوں پر تنقید کی ہے اور ان کے مصنفین پر بھی علمی اعتراضات کیے ہیں۔ للہذا، علمی تنقید نہ صرف جائز بلکہ واجب بھی ہے، خاص طور پر جب بات دین اور سنتِ محمد وآلِ محمدؐ کے دفاع کی ہو۔

مثال کے طور پر، ہم دیکھتے ہیں کہ محقق خوئیؒ نے خود شیخ طوسی کی طرف سہو (بھول) بلکہ کثرتِ خطا (زیادہ غلطیوں) کو منسوب کیا ہے۔ یہاں ان کے کلام کا ایک حصہ پیش ہے: (کئی مواقع پر ایسا ہوا ہے کہ شیخ طوسی نے کسی شخص کو اصحابِ معصومینؑ میں شمار کیا ہے، اور پھر اسی کو ان لوگوں میں بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے معصومینؑ سے روایت نہیں کی۔ یہ تو متضاد باتوں کو جمع کرنا ہے! ایک ہی شخص کیسے کسی معصومؑ کے دور کو پا سکتا ہے، ان سے روایت کر سکتا ہے، اور پھر ساتھ ہی اسے ان افراد میں شمار کیا جائے جنہوں نے معصومینؑ سے روایت نہیں کی؟ اس حوالے سے کچھ تاویلات پیش کی گئی ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی قابلِ قبول نہیں:..... یہاں تک کہ محقق خوئی نے کہا: اور اس کی صحیح توجیہ یہ ہے: کہ یہ غلطی شیخ طوسی سے غفلت

اور بھول کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔ جب انہوں نے کسی شخص کو ان افراد میں شمار کیا جو معصومینؑ سے روایت نہیں کرتے، تو وہ اصحابِ معصومینؑ میں اس کا ذکر کرنے سے غافل ہوگئے اور اس نے بلا واسطہ ان (معصومینؑ) سے روایت کی تھی۔ درحقیقت، شیخ طوسی اپنی تالیف وتدریس میں بے حد مشغول رہتے تھے، جس کے باعث ان سے کثرتِ خطا (بہت زیادہ غلطیاں) سرزد ہو جاتی تھیں۔ نتیجتاً، کبھی وہ ایک ہی شخص کو ایک باب میں دو مرتبہ ذکر کر دیتے یا اپنی فہرست میں اس کا ترجمہ (سوانح حیات) دو مرتبہ درج کر دیتے...)[1]

اسی طرح محقق خوئی نے کئی مواقع پر علمائے رجال پر تنقید کی صراحت کی ہے، جن میں نجاشی پر کیے گئے رد بھی شامل ہیں: معلیٰ بن خنیس کی ترجمہ (سوانح حیات) میں، جہاں وہ اس کی مدح میں کئی صحیح روایات ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: (اور ان تمام چیزوں کے باوجود، نجاشی کی تضعیف (کمزور قرار دینا) قابلِ اعتنا نہیں، اگرچہ وہ اس فن (علم رجال) میں ماہر تھے۔ شاید ان کی تضعیف کا سبب (اللہ ان کی روح پر رحمت کرے) یہ ہو کہ معلیٰ بن خنیس پر غلو (مبالغہ آمیز عقائد) کی نسبت مشہور تھی، جبکہ اس کی نسبت خود غالیوں اور اہلِ سنت کے ان علما نے دی جو امام جعفر صادقؑ کے اصحاب کی توہین کرنا چاہتے تھے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے).

اور ان میں سے ایک مثال: جابر بن یزید الجعفی کی ترجمہ ہے، جہاں محقق خوئی کہتے ہیں: (.... ان روایات کی روشنی میں جو اس کی عظمت اور مدح پر دلالت کرتی ہیں، اور اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ وہ اہلِ بیتؑ کے رازوں سے آگاہ تھا۔ اسی کو مزید تقویت اس روایت سے ملتی ہے جو صفار نے "بصائر الدرجات" میں نقل کی ہے، (باب 13، جزء 2، حدیث 4) کہ امام صادقؑ نے اسے آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا۔

پھر نجاشی نے ذکر کیا ہے کہ شاذ و نادر ہی اس سے حلال و حرام کے بارے میں کوئی روایت نقل کی گئی ہے اور یہ بات اس کی طرف سے عجیب ہے، کیونکہ چاروں بنیادی کتب میں اس سے بہت سی روایات منقول ہیں، جنہیں مشایخ نے روایت کیا ہے....).

اور اس کے بعد تو موجود چیز کے بعد اثر مت تلاش کر، یہ نجاشی جو علم رجال میں سب سے بہترین لکھنے والوں میں شمار ہوتا ہے، اپنے کلام میں اہل بیتؑ سے مروی درجنوں روایات کی مخالفت کرتا ہے، بلکہ وہ حتیٰ کہ ان روایات کی بھی مخالفت کرتا ہے جو سند کے لحاظ سے صحیح ہیں، اور صرف اپنی رائے، اندازے یا سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرتا ہے!!!

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 1، ص 97 – 99 .

ذیل میں میں بعض بڑے علماء کے اقوال ذکر کروں گا جو کتب رجال کے بارے میں ہیں اور اس حوالے سے کہ روایات کے قبول کرنے کو صرف ان راویوں تک محدود کرنا جن کی توثیق کتبِ رجال میں موجود ہے:

ان لوگوں میں سے جو بالکل واضح الفاظ میں کتب رجالیہ پر اعتماد نہ کرنے کا اظہار کرتے ہیں، محقق ہمدانیؒ ہیں. [1] چنانچہ وہ کھتے ہیں: (... کوئی ایسی روایت مشکل ہی سے ملتی ہے جس کے راویوں کی عدالت کو ہم تحقیق کے ساتھ ثابت کر سکیں، اگر روایت کے طریقے میں مسامحت (نرمی) سے کام نہ لیا جائے اور غیر ثابت شدہ ظنون پر عمل نہ کیا جائے۔ بلکہ معیار راوی کی وثاقت یا روایت کے صدور پر اطمینان ہے، چاہے وہ خارجی قرائن کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے یہ اطمینان خارجی قرائن کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ وہ چار بنیادی کتب میں درج ہو، یا معتبر اصول سے لیا گیا ہو، اور اصحاب نے اس پر توجہ دی ہو اور اسے ترک نہ کیا ہو... اور اسی وجہ سے، جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا، میری روش یہ رہی ہے کہ میں رجال کے حالات کی تحقیق ترک کر دوں اور روایت کو صحیح قرار دینے کے لیے صرف اسی پر اکتفا کروں کہ ہمارے متقدمین مشائخ، جنہوں نے ان کے حالات کی جانچ کی ہے، اسے صحیح قرار دے چکے ہیں...). [2]

پس یہ مخفی نہیں کہ اس کے قول کا ظاہر (ظاہری مفہوم) یہ ہے: (اور غیر ثابت الحجیت گمانوں پر عمل) کے ظاہر سے مراد رجال کے علماء کی طرف سے راویوں کی توثیق اور تضعیف ہے، جو صرف ایسے گمانات ہیں جو نہ فائدہ دیتے ہیں اور نہ بھوک مٹاتے ہیں، مگر نادر صورتوں میں، جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ان لوگوں کے طریقے کو رد کیا جو علماء الرجال کے ضعف سے کسی کی روایت کو چھوڑنے اور صرف صحیح سند پر اعتماد کرنے کے قائل تھے، وہ محقق حلّی (رحمت اللہ علیہ) صاحب کتاب الشرائع ہیں، جنہوں نے کہا:

(حشویوں [3] نے خبر واحد پر عمل کرنے میں اس قدر شدت اختیار کی (افراط کیا) کہ وہ ہر خبر کو تسلیم کر بیٹھے اور اس میں چھپے ہوئے تناقضات کو نہ سمجھ سکے، کیونکہ اخبار میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ نبیؑ نے فرمایا: "میرے بعد میری پر تنقید بہت زیادہ ہو گی"، اور امام صادقؑ نے فرمایا: "ہمارے ہر ایک آدمی کے لیے ایک ایسا شخص ہے جو اس پر جھوٹ بولتا ہے"، اور بعض لوگوں نے اس افراط سے بچتے ہوئے کہا کہ ہر صحیح سند والی

---

[1] - جو اس نام سے معروف ہیں (آقا) رضا الهمدانی والمتوفی سنة 1322ھ- ق ، وهو من كبار العلماء المحققين.

[2] -مصباح الفقیہ، محقق الهمدانی، ج 2 ،ق 1 ،ص 12، قواعد الحدیث، ص 110،اصول الحدیث للفضلی، ص 169.

[3] -الحشویوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر حدیث کو بلا کسی غور و فکر کے قبول کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل بیتؑ سے احادیث پر اعتماد کے لیے کچھ شرائط مروی ہیں.

خبر پر عمل کیا جائے۔ حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ جھوٹ بولنے والا کبھی سچ بھی کہہ سکتا ہے، اور نہ ہی یہ سمجھ پائے کہ یہ شیعہ علماء پر ایک اعتراض اور مذہب پر ایک ضرب ہے، کیونکہ کوئی بھی مصنف ایسا نہیں جو مجروح خبر پر عمل نہ کرے جیسے وہ عدل والے خبر پر عمل کرتا ہے،..... یہاں تک کہ کہا: اور یہ تمام اقوال سنن سے منحرف ہیں اور درمیانہ رویہ زیادہ صحیح ہے، پس وہ جو اصحاب نے قبول کیا یا قرائن جو کسی چیز کی صحت کی گواہی دیں، اس پر عمل کیا جائے، اور جو اصحاب نے نظرانداز کیا یا جو شذوذ ہو، اسے چھوڑ دینا چاہیے...).[1]

اور محقق حلّی (رحمت اللہ علیہ) کا صریح کلام یہ ہے کہ جو لوگ اہل رجال کے مجروح شخص پر اعتماد کو جائز نہیں سمجھتے، وہ انحراف عن السنن (سنت سے منحرف) کے وصف سے ملقب ہیں، اور ان کا یہ قول علماء مذہب پر طعن اور خود مذہب پر اعتراض ہے۔ انہوں نے درمیانہ رویہ اختیار کیا، جو کہ وہی ہے جس پر اصحاب نے عمل کیا اور قرائن جو کسی چیز کی صحت کی گواہی دیں، اس پر عمل کیا جائے... الی آخر۔

اور محقق حلی (رحمہ اللہ) نے اگرچہ اپنے اس کلام میں علم رجال کی ضعف کو صراحتاً بیان نہیں کیا، لیکن اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ روایت کے قبول یا رد میں علم رجال پر اعتماد نہیں کرتے، اس طرح کہ جنہیں علماء رجال نے ثقہ قرار دیا ہے ان کی روایت لی جائے اور جنہیں ضعیف کہا ہے ان کی روایت ترک کی جائے، بلکہ انہوں نے اعتماد کو اصحاب کے عمل اور قرائن پر رکھا، اور یہی خود ان لوگوں کے دعوے کا رد ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ علم رجال ہی روایت کے قبول یا عدم قبول کا مرجع اور معیار ہے، کیونکہ یہی علم اس بات کا ذمہ دار ہے کہ کس کی روایت قبول کی جائے اور کس کی رد کی جائے۔

بلکہ یہ بات خود محقق نائینیؒ [2] کے کلام سے بھی اخذ کی جا سکتی ہے، خصوصاً کتاب الکافی کی روایات کے بارے میں، جہاں انہوں نے فرمایا: (الکافی کی روایات کے سند میں بحث کرنا عاجز کی صنعت اور لنگڑے کا عصا ہے).[3]

---

[1] -المعتبر، محقق حلی، ج1 ، ص29.

[2] - اور وہ علم اصول کے مشہور ترین علماء میں سے ہیں.

[3] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 1، ص 81 .

حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ کتاب الکافی کے بہت سے رواۃ، کتب رجال[1] میں مجروح قرار دیے گئے ہیں، بلکہ بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ متاخرین کے منہج کے مطابق، الکافی کی کل (16199 یا 16121)

---

[1] -مثال کے طور پر، جن راویوں پر شیخ کلینی نے الکافی میں اور شیخ صدوق نے اپنی کتب میں اعتماد کیا، ان میں (ابو البختری وہب بن وہب) بھی شامل ہے۔ یہ شخص ہارون الرشید کا قاضی تھا اور نجاشی، طوسی، علامہ اور دیگر علماء نے اسے کذاب قرار دیا ہے اور اس کے کئی فاسد اعمال بھی منقول ہیں۔ اس کے باوجود، سب سے زیادہ موثق علماء نے اسے سب سے زیادہ موثق کتب میں اسے معتبر سمجھا ہے.

نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں، ص 430، نمبر 1155 پر لکھا: (وہب بن وہب بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ، ابو البختری، اس نے امام ابو عبداللہؑ سے روایت کی ہے، لیکن وہ کذاب تھا، اور اس کی ہارون الرشید کے ساتھ جھوٹی روایات مشہور ہیں).

شیخ طوسی نے الفہرست میں، ص 256-257، نمبر 779 پر لکھا: (وہب بن وہب، ابو البختری، عامی المذہب اور ضعیف ہے۔ اس کی ایک کتاب ہے، جسے کئی افراد نے ہمیں ابو جعفر بن بابویہ کے واسطے سے، انہوں نے اپنے والد اور محمد بن حسن کے ذریعے، انہوں نے صفار سے، انہوں نے ابراہیم بن ہاشم اور سندی بن محمد کے ذریعے اس (وہب بن وہب) سے نقل کیا۔ نیز، اور اسی طرح کئی افراد نے ابو المفضل کے واسطے سے، انہوں نے ابن بطہ کے ذریعے، اور انہوں نے احمد بن ابی عبداللہ سے نقل کر کے پہنچائی).

بلکہ فضل بن شاذان نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ وہ تمام مخلوقات میں سب سے بڑا جھوٹا تھا:

ابو عمرو کشی نے نقل کیا ہے: (اور (علی بن محمد بن قتیبہ) نے بھی کہا کہ ابو محمد فضل بن شاذان نے کہا: ابو البختری مخلوقات میں سب سے بڑا جھوٹا تھا) اختیار معرفۃ الرجال، ج 2، ص 597 .

اب میں الکافی میں ابو البختری وہب بن وہب کی روایات کے مقامات ذکر کرتا ہوں:

یہ الکافی میں ابو البختری وہب بن وہب کی روایات کے مقامات ہیں:

(1) الکافی، ج 1، باب "صفت علم، اس کی فضیلت اور علماء کی فضیلت"، ج 2، ص 32 (2) الکافی، ج 2، باب "کفاف"، حدیث 5، ص 141 (3) الکافی، ج 2، باب "مؤمن، اس کی علامات اور صفات"، حدیث 14، ص 234 (4) الکافی، ج 3، باب "زکاۃ مالِ مملوک، مکاتب اور مجنون"، حدیث 4، ص 542 (5) الکافی، ج 5، باب "فضل الجہاد"، حدیث 8، ص 8 (6) الکافی، ج 5، باب "ائمہؑ کی اقتداء کے وجوب"، حدیث 13، ص 73 (7) الکافی، ج 5، باب "نوادر"، حدیث 19، ص 308 (8) الکافی، ج 6، باب "عدۃ المختلعۃ"، حدیث 8، ص 144 (9) الکافی، ج 6، باب "نوادر"، حدیث 11، ص 196 (10) الکافی، ج 6، باب "غداء وعشاء"، حدیث 6، ص 287 (11) الکافی، ج 6، باب "خف"، حدیث 5، ص 466 (12) الکافی، ج 6، باب "سمک"، حدیث 2، ص 514 (13) الکافی، ج 7، باب "نوادر"، حدیث 6، ص 261.

یہ شیخ صدوق کی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں ابو البختری وہب بن وہب کی روایت کردہ احادیث کے مقامات ہیں:

(1) من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، ج 3، حدیث 3524، ص 142 (2) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3672، ص 178 (3) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3714، ص 189 (4) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3524، ص 143 (5) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3672، ص 178 (6) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 371، ص 189 (7) من لا یحضرہ الفقیہ، ج 2، حدیث 1636، ص 36 (8) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3417، ص 101 (9) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3750، ص 198 (10) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 3949، ص 264 (11) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 4047، ص 291 (12) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث 4060، ص 296 (13) من لایحضرہ الفقیہ، ج 3، حدیث

روایات میں سے (9485) روایات ضعیف ہیں، جبکہ صحیح روایات صرف (5072) ہیں، اور باقی روایات حسن، موثق، قوی اور ضعیف کے درمیان ہیں!

اس کے باوجود، نائینی نے اس بنیاد پر الکافی کی روایات کو رد کرنے کو ضروری نہیں سمجھا۔ پس، وہ یہ نہیں مانتے کہ ہر وہ روایت جس کے راوی کو علماء رجال نے ضعیف قرار دیا ہے، رد کر دی جائے۔ اور یہ بھی ان لوگوں کے قول کا رد ہے جو ایسا گمان کرتے ہیں۔

اور ان علماء میں سے جنہوں نے علم رجال پر اعتماد نہ کرنے کا صراحتاً اظہار کیا ہے، وہ محقق بحرانی (رحمہ اللہ) ہیں، جنہوں نے کہا: (... اور تم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہو کہ ان کتب (رجالیہ) کے مصنفین [1] اور اخبار کے راویوں کے درمیان طویل مدت اور زمانے کا فاصلہ ہے، تو وہ کیسے ان کے احوال پر آگاہ ہو سکتے تھے جو عدالت یا فسق کی گواہی دینے کا موجب ہو؟ اور اس کا علم کسی ناقل کی خبر، شہرت، قرینۂ حال یا اسی طرح کے ذرائع سے حاصل کرنا، جیسا کہ ان کتب کے مصنفین نے حقیقت میں اختیار کیا ہے، اسے گواہی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ لوگ اسی بنیاد پر اعتماد کرتے ہیں اور اسے گواہی کا نام دیتے ہیں، حالانکہ فرض کر لیا جائے کہ یہ گواہی کے لیے کافی ہے، تب بھی گواہی پر عمل کرنے کے لیے گواہ سے براہ راست سننا ضروری ہوتا ہے، نہ کہ محض اس کی کتاب میں درج ہونے کی بنا پر۔ یہ تو گواہی کے لیے کافی نہیں ہے! اور اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ یہ کافی ہے، تو پھر ان کتب میں نقل شدہ روایات اور ان جلیل القدر شخصیات کی روایات میں کیا فرق ہے، جو مذہب کے ستون شمار ہوتے ہیں، جن کی کتابیں معتبر اور جن کا علم براہ راست صادقینؑ سے ماخوذ ہے؟ آخر کیوں ایک فریق پر اعتماد کیا جائے اور دوسرے پر نہیں؟ (تیسری بات یہ ہے کہ) ان کا اپنا طرزِ عمل، ان کے اپنے مقرر کردہ اصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ وہ بعض ایسی احادیث کی صحت کے قائل ہیں جو ان کے اپنے اصطلاحی معیار کے مطابق ضعیف ہیں، جیسے ابن ابی عمیر، صفوان بن یحییٰ اور دیگر کی مراسیل۔

4558، ص 451 (14) من لایحضره الفقیه، ج 3، حدیث 473، ص 491 (15) من لایحضره الفقیه، ج 3، حدیث 5023، ص 34 (16) من لایحضره الفقیه، ج 4، حدیث 5066، ص 49 (17) من لایحضره الفقیه، ج 4، حدیث 5367، ص 162 (18) من لایحضره الفقیه، ج 4، حدیث 5389، ص 170 .

پھر، حتیٰ کہ وہ شخص جس پر کذب کا حکم لگایا گیا ہو، اس کی روایت کو مسترد کرنا لازم نہیں آتا، جب تک کہ وہ اہل بیتؑ سے منقولہ ضوابط کے مطابق ہو۔ میں نے صرف ایک مثال ذکر کی ہے، جبکہ ایسی بے شمار دیگر مثالیں بھی موجود ہیں.

[1] -اس سے مراد "کتب رجال" ہیں.

ان کا گمان ہے کہ یہ افراد صرف ثقہ راویوں سے ہی روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ان مشائخِ اجازت کی احادیث کو بھی قبول کیا گیا ہے جن کا کتب رجال میں نہ تو مدح کے ساتھ ذکر ہوا ہے اور نہ قدح کے ساتھ، جیسے: احمد بن محمد بن الحسن بن الولید، احمد بن محمد بن یحییٰ العطار، حسین بن الحسن بن اِبان، ابی الحسین ابن اِبی جید اور ان جیسے دیگر افراد۔

اور اس جیسی بہت سی مثالیں ہیں جو تحقیق کرنے والے پر ظاہر ہوتی ہیں (اور چوتھا نکتہ یہ ہے) کہ ان کے جرح و تعدیل کے کلام میں اس قدر اضطراب پایا جاتا ہے کہ نہ تو اسے یکجا (جمع) کیا جا سکتا ہے اور نہ تاویل کے قابل ہے۔ چنانچہ، تم دیکھو گے کہ ایک ہی شخص خود اپنے قول کی مخالفت کرتا ہے، دوسروں کی مخالفت تو الگ بات ہے۔

کوئی ایک جرح کو تعدیل پر مقدم کرتا ہے، جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ یہ تبھی مقدم ہو گی جب جمع ممکن نہ ہو. کوئی نجاشی کو شیخ پر ترجیح دیتا ہے، جبکہ دوسرا اس سے اختلاف کرتا ہے اور اس سے دلیل کا مطالبہ کرتا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اس فن میں غور و خوض کرے گا، وہ ہمارے دعوے کی صحت پر یقین حاصل کر لے گا چونکہ یہ بنیاد ابتدا سے ہی غیر مستحکم تھی، اس لیے اس میں زیادہ اعتراضات اور الجھنیں پیدا ہوئیں). [1]

بلکہ بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ شیخ طوسی کی کتب رجال میں بہت زیادہ وہم و غلطیاں واقع ہوئی ہیں، یہاں تک کہ ان کی معلومات شک پیدا کرنے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ چنانچہ، ابو الہدی کلباسی (مصنف سماء المقال) نے فاضل خاجوئی کا قول نقل کیا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں: (... جہاں تک فاضل خاجوئی کا قول ہے[2] جو

---

[1] -الحدائق الناضرة، محقق بحرانی، ج 1، ص 22-23 .

[2] -ان کی سوانح کتاب تتمیم اِمل الاٰمل میں اس طرح ذکر کی گئی ہے: (مولانا اسماعیل المازندرانی، جو محلات اصفہان کے خاجو میں سکونت پذیر تھے، وہ علوم کے گہرے سمندر میں غوطہ زن ہونے والے علما میں سے تھے اور علمی مہارت میں انتہائی باریک بینی کے حامل تھے۔ وہ فضیلت میں مشہور اور ذہین و غیر ذہین سب کے لیے معروف تھے۔ وہ کامل درجے کے محقق تھے، یہاں تک کہ ہر فاضل و ذہین شخص نے ان کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ وہ علم کلام کے ماہر اور اہل علم کے سر برآوردہ شخصیات میں سے تھے۔ ان کا علمی دریا موجزن سمندروں سے بھی وسیع اور ان کا فہم و ادراک بلند ترین پہاڑوں سے بھی زیادہ عظیم تھا۔ ثقہ افراد نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کتاب "الشفاء" کو تیس مرتبہ یا تو قراءت کیا، یا تدریس کی، یا اس کا مطالعہ کیا۔ کچھ افراد نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس "الشفاء" کے کچھ صفحات گم ہو گئے تھے، تو انہوں نے انہیں زبانی یادداشت سے لکھ لیا، اور جب اس کا صحیح نسخے سے موازنہ کیا گیا تو صرف ایک یا دو حرفوں کا اختلاف پایا گیا اور خلاصہ یہ کہ حکمت، کلام، اور اصول کی کتابیں ان کے لیے ایسے آسان تھیں جیسے کسی کے لیے ٹڈیوں کا اڑنا، یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ "یہ ایک حیرت انگیز چیز ہے" اور "یہ کوئی خاص ارادہ رکھتی ہے"۔ وہ (رحمت اللہ علیہ) فقہ، تفسیر اور حدیث میں بھی وسیع علم رکھتے تھے اور ان میں کامل درجہ کی تحقیق کے حامل تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہ اللہ کی ایک بڑی نشانی اور حجتِ بالغہ تھے۔ وہ زیادہ عبادت گزار، دنیا سے بے رغبت، اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے تھے۔ وہ ان لوگوں کو ناپسند کرتے تھے جو دنیا کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ وہ نبی اکرمؐ کی سنت پر عمل پیرا اور ائمہ ہدیٰؑ کے لیے انتہا درجے کے

انہوں نے اپنی رسالہ فی الکر اور اوائل اربعین میں ذکر کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں: شیخ طوسی کی جانب سے رجال کے احوال پر دی گئی معلومات نہ تو گمان پیدا کرتی ہیں اور نہ ہی کسی بھی صورت میں شک. اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ ایک مقام پر کہتے ہیں: (یہ شخص ثقہ ہے) اور دوسرے مقام پر اسی شخص کے بارے میں کہتے ہیں: (یہ ضعیف ہے) جیسا کہ سالم بن مکرّم الجمال اور سہل بن زیاد کے بارے میں ان کے اقوال میں پایا جاتا ہے...).[1]

اور اسی طرح، ابو المعالی الکلباسی نے اپنی "الرسائل الرجالیۃ" میں صاحب المعالم کے فرزند کا وہ قول نقل کیا ہے جس میں علامہ حلی اور شیخ طوسی پر ان کے رجال میں کثرتِ وہم کی وجہ سے طعن کیا گیا ہے: (... جیسا کہ مذکورہ فرزند[2] نے علامہ حلی کی تصحیحات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا، اس بنیاد پر کہ انہوں نے رجال کی توثیق میں بہت زیادہ وہم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ہاں، شیخ[3] کی توثیق کے معاملے میں بھی اشکال پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی بہت زیادہ وہم کرتے تھے...).[4]

شیخ علی النمازی نے بہت سے رواۃ کے دفاع اور توثیق میں کمال مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ، انہوں نے اس موضوع سے متعلق ایک نہایت خوبصورت بات بھی کہی: (کتنے ہی افراد جو سلف کے نزدیک مجہول تھے، وہ خلف کے نزدیک معلوم ہو گئے، اور کتنے ہی افراد جو سابقین کے نزدیک ضعیف تھے، وہ لاحقین کے نزدیک قوی ہو گئے، جیسے: جابر الجعفی، مفضل، محمد بن سنان، سہل بن زیاد اور دیگر).[5]

مخلص تھے۔ وہ عقائدِ حقہ کی تائید اور ان کو مستحکم کرنے میں بہت سخت گیر اور دین کے امور کو درست طریقے سے نافذ کرنے کے لیے انتہائی پرعزم تھے.... انہوں نے (رحمت اللہ علیہ) بہت سی تصانیف اور علوم کی کتابوں پر حواشی تحریر کیے۔ ان کی تصانیف میں سے جو ہمیں پہنچی ہیں، ان میں سے ایک "الرد علی العلامۃ الخوانساری فی الزمان الموہوم" ہے۔ وہ سنہ 1177 ہجری میں وفات پا گئے۔). تتمیم اِمل الامل، شیخ عبد النبی قزوینی، ص 67-69.

اور آقا بزرگ الطہرانی نے الذریعۃ، ج 10، ص 204، نمبر 553 میں کہا: خاجوئی کے (150) تصنیفات ہیں.

[1] - سماء المقال فی علم الرجال، ابو الہدی الکلباسی، ج 1، ص 159؛ الرسائل الرجالیۃ، ابو المعالی محمد بن محمد ابراہیم الکلباسی، ج 2، ص 401.

[2] - نجل شیخ حسن بن زین الدین، صاحبِ معالم، جو سنہ 1011 ہجری قمری میں وفات پا گئے.

[3] - اس سے مراد شیخ طوسی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہیں.

[4] - الرسائل الرجالیۃ، ابی المعالی محمد بن محمد ابراہیم الکلباسی، ج 1، ص 218.

[5] - مستدرکات علم رجال الحدیث، نمازی شاہرودی، ج 1، ص 67.

اسی طرح شیخ علی النمازی الشاہرودی اس بات پر تاکید کرتے ہیں کہ روایت کی صحت کو صرف رجال السند کی وثاقت پر محدود نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کہتے ہیں: (روایت کے وثوق پر اس کے متن سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ تفسیر عیاشی میں حسن بن جہم نے عبد صالح ؑ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا: "جب تمہارے پاس دو مختلف حدیثیں آئیں، تو انہیں کتاب اللہ اور ہماری احادیث پر پیش کرو، پس جو ان سے مشابہ ہو وہ حق ہے، اور جو ان سے مشابہ نہ ہو وہ باطل ہے" اسی حدیث کو شیخ طبرسی نے بھی امام رضاؑ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح امام کاظمؑ نے بھی کتاب مسائل الرجال کے آخر میں نقل شدہ ایک قول میں فرمایا: جو بات تمہیں معلوم ہو کہ وہ ہماری ہے، اس پر عمل کرو، اور جو معلوم نہ ہو اسے ہماری طرف لوٹا دو۔ علم کا ذریعہ صرف سند نہیں، بلکہ متن بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ واضح ہے. ہم سے پہلے فنِ رجال کے کئی علماء نے روایت کے متن سے راوی کے حسنِ حال پر استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک علامہ مولیٰ وحید بہبہانی ہیں، جنہوں نے اپنی تعلیقات میں کئی مقامات پر یہی طریقہ اپنائی، جیسا کہ علامہ مامقانی نے ان سے نقل کیا ہے... یہاں تک کہ انہوں نے کہا: اور ان میں سے علامہ مامقانی بھی ہیں، جنہوں نے کئی مقامات پر اسی طریقے کو اختیار کیا، جن میں سے موسیٰ بن عبد اللہ (راویِ زیارت جامعہ کبیرہ) کی توثیق میں کہا: "اس کی یہ روایت اس کے امامی اور صحیح العقیدہ ہونے کی واضح دلیل ہے، بلکہ امام ہادی ؑ کا اسے یہ تفصیلی زیارت سکھانا، جو ائمہؑ کے مراتب کو بیان کرتی ہے، اس کے علم و فضل پر دلالت کرتا ہے، پس یہ شخص حسن الحدیث ہے اور اس کی روایت قابلِ قبول ہے، اور علمائے رجال کا اس کا ذکر نہ کرنا اس کے مقام و اعتبار کو نقصان نہیں پہنچاتا... یہاں تک کہ وہ فرماتے ہیں: اور ان میں سے علامہ مجلسی (رحمہ اللہ) بھی ہیں، جنہوں نے بحار الانوار میں توحید المفضل اور رسالۃ الہلیلجہ نقل کرنے سے پہلے کہا: ان کا ارسال (یعنی بغیر مسلسل سند کے ہونا) نقصان دہ نہیں، کیونکہ یہ مفضل سے منسوب ہونے میں مشہور ہیں، اور اس پر سید ابن طاووس اور دیگر نے بھی شہادت دی ہے۔ نیز محمد بن سنان اور مفضل کا ضعف بھی محلِ نظر ہے، بلکہ بے شمار روایات سے ان دونوں (محمد بن سنان اور مفضل) کے عظیم مقام اور جلالتِ قدر کا اظہار ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں روایات (توحید المفضل اور رسالۃ الہلیلجہ) کا متن خود ان کی صحت پر سچی گواہی دیتا ہے... آخر تک....

اسی طرح کتاب الاربعین میں حدیث 30 نقل کرنے کے بعد کہا: یہ روایت مشہور نظریے کے مطابق ضعیف ہے، لیکن اس کے بلند مضامین اس کے صحیح ہونے کی گواہی دیتے ہیں...).[1]

---

[1] - مستدرکات علم رجال الحدیث، نمازی شاہرودی، ج1 ص 7 – 13.

ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ شیخ علی نمازی شاہرودی ان راویوں کو موثق یا حسن قرار دیتے ہیں جن کی وثاقت پر صراحت موجود نہیں ہوتی۔ وہ انہیں ان کی روایات کے ذریعے توثیق کرتے ہیں، یعنی وہ خود روایت کو راوی کی توثیق کا سبب قرار دیتے ہیں، نہ کہ راوی کو روایت کی توثیق کا ذریعہ۔ پس اگر کوئی راوی ایسی روایت یا روایات نقل کرے جن میں اہل بیت ؑ کی ولایت، فضائل یا کرامات کا ذکر ہو اور اس راوی کی تضعیف پر کوئی صریح دلیل نہ ہو، تو وہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: یہ روایت اس کے حُسن (اچھائی) اور کمال پر دلالت کرتی ہے۔

اور ان تمام گڑبڑ، وہم، اشتباہ، تناقض، ضعف اور مستند کی کمی کے بعد، نفوس کو کتبِ رجال پر کیسے اطمینان حاصل ہو سکتا ہے؟ اور انہیں آلِ محمدؐ کی روایات کو قبول یا رد کرنے کے لیے ایک نا قابلِ چیلنج معیار کیسے بنایا جا سکتا ہے؟!!

چھٹی بات: رجال کے علماء کے جرح و تعدیل کے طریقے کو تسلیم نہ کرنا

رجالی توثیقات اور تضعیفات کی کمزوری، اختلاف اور تناقض کے باوجود، پس ان کا جرح و توثیق کا منہج ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ حضراتِ معصومین ؑ کی توثیق اور تضعیف پر اعتماد کرتے ہیں، تو اہلِ بیتؑ نے متعدد مواقع پر تقیہ اور اپنے مخلص پیروکاروں کو ظالم حکمرانوں کے جبر و ستم سے بچانے کے لیے اس مسئلے کو مخفی رکھا۔ کیونکہ ظالم سلاطین ائمہؑ کے اصحاب کا تعاقب کرتے، انہیں قتل کرتے اور جلاوطن کر دیتے تھے۔ چنانچہ بعض ائمہؑ نے اپنے بعض مخلص اصحاب کی شدید مذمت کی تاکہ یہ خبر حکمرانوں اور ان کے کارندوں تک پہنچے اور وہ ان کے درپے آزار نہ ہوں۔ لہٰذا، جو چیز علمائے رجال کے ہاں ایک معتبر معیار سمجھی جاتی ہے یعنی (توثیق و تضعیف)، اہلِ بیتؑ نے خود بعض مواقع پر اسے بالکل برعکس کر دیا۔ بلکہ بعض اصحابِ ائمہ نے اپنی جان بچانے کے لیے دیوانگی کا اظہار کیا تاکہ قتل اور قید و بند سے محفوظ رہ سکیں۔ اسی لیے، علمِ رجال میں سب سے بڑے ماہرین میں شمار ہونے والے شیخ نجاشی جیسے شخص پر بھی حقیقت مشتبہ ہو گئی، یہ اس صورت میں ہے اگر وہ حقیقتاً روایات پر اعتماد کرتے ہوئے اُن خالص صحابۂ ائمہؑ کو تضعیف کرتا ہو، جنہیں اس نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے، مثال کے طور پر، جابر بن یزید الجعفی کو تخلیط (گفتار میں mixing) کی بنا پر ضعیف قرار دیا، جبکہ روایات میں آیا ہے کہ جابر نے امام باقرؑ کے حکم سے جنون کا اظہار کیا تھا، جیسا کہ درج ذیل روایت سے سمجھا جا سکتا ہے:

نعمان بن بشیر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: (میں جابر بن یزید جعفی کے ساتھ ہمسفر تھا۔ جب ہم مدینہ میں تھے، وہ امام باقرؑ کے پاس گئے، ان سے وداع کیا اور وہاں سے خوش و خرم نکلے۔ جب ہم فید سے مدینہ کی طرف پہلے قیام گاہ 'الأخیرجة' پر پہنچے، تو جمعہ کا دن تھا، ہم نے زوال کی نماز پڑھی۔ جیسے ہی ہمارا اونٹ چلنے لگا تو میں نے ایک لمبے قد والا، گندمی رنگ کا آدمی دیکھا جس کے ساتھ کچھ خطوط تھیں۔ اس نے وہ خطوط جابر کو دیے، جابر نے انہیں لے کر چوم لیا اور اپنی آنکھوں پر رکھا۔ وہ خطوط محمد بن علیؑ کی طرف سے جابر بن یزید کے نام تھے اور ان پر گیلی سیاہ مٹی کا مہر لگا ہوا تھا۔ جابر نے اس آدمی سے پوچھا: 'تمہاری میرے آقا سے آخری ملاقات کب ہوئی؟' اس آدمی نے جواب دیا: 'ابھی ابھی' پھر جابر نے پوچھا: 'نماز سے پہلے یا بعد میں؟' اس آدمی نے کہا: 'نماز کے بعد' جابر نے مہر توڑی، خط پڑھنے لگے اور ان کا چہرہ مایوسی اور پریشانی سے بھر گیا، یہاں تک کہ خط ختم ہو گیا۔ پھر اس نے خطوط کو تھام لیا۔ اس کے بعد، میں نے انہیں نہ خوش دیکھا اور نہ ہنستے ہوئے پایا، یہاں تک کہ ہم کوفہ پہنچ گئے۔ جب ہم رات کے وقت کوفہ پہنچے، میں نے اپنی رات گزاری، اور صبح ہوتے ہی احتراماً ان کے پاس گیا۔ وہ باہر نکلا جبکہ ان کی گردن میں گولیاں (کعاب) لٹکی ہوئی تھیں، انہوں نے ایک سرکنڈے (قصبہ) پر سواری کی ہوئی تھی اور کہہ رہے تھے: میں منصور بن جمہور کو ایک ایسا امیر دیکھ رہا ہوں جو حکم کا پابند نہیں۔ وہ اسی طرح کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا، اور انہوں نے میری طرف دیکھا، مگر کچھ نہیں کہا۔ میں نے ان کے اس حال پر رونا شروع کر دیا، لوگ اور بچے ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ اور آیا یہاں تک کہ رحبہ (کھلا میدان) میں داخل ہوا اور بچوں کے ساتھ گھومنے لگا، جبکہ لوگ کہہ رہے تھے: جابر بن یزید پاگل ہو گیا، پاگل ہو گیا۔ اللہ کی قسم! چند دن ہی گزرے تھے کہ ہشام بن عبد الملک کا اپنے والی (گورنر) کے نام حکم آیا: ایک شخص ہے جسے جابر بن یزید جعفی کہا جاتا ہے، اسے تلاش کرو، اس کی گردن اڑا دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔ والی نے اپنے درباریوں کی طرف رخ کر کے پوچھا: یہ جابر بن یزید جعفی کون ہے؟ درباریوں نے جواب دیا: اللہ آپ کی اصلاح کرے، وہ ایک علم و فضل اور حدیث والا شخص تھا، حج کے بعد پاگل ہو گیا، اور اب رحبہ (کھلا میدان) میں بچوں کے ساتھ سرکنڈے پر کھیل رہا ہے! والی نے جابر پر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ وہ واقعی بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ والی نے کہا: شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے اسے قتل کرنے سے بچا لیا! کہا: اور دن نہیں گزرے تھے کہ منصور بن جمہور کوفہ میں داخل ہوا اور وہی کیا جو جابر کہہ رہا تھا). [1]

---

[1] - الکافی، کلینی، ج 1، صفحات 396-397.

تو کیا ہی ہولناک معاملہ ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ نجاشی جیسے شخص نے جابر بن یزید الجعفی جیسے شخص کو ضعیف قرار دیا، حالانکہ اس کی مدح اور بلند مقام کے بارے میں متواتر روایات موجود ہیں، اور اگر وہ صرف درج ذیل روایت ہی نقل کرتا تو کافی تھا:

حسین بن حمدان نے احمد بن یوسف بن محمد سے، انہوں نے ابو سکینہ سے، انہوں نے عمرو بن زہیر سے، امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: (جابر کو جابر (یعنی تسلی دینے والا) اس لیے کہا گیا، کیونکہ اس نے اپنے علم کے ذریعے مومنین کو تسلی دی۔ وہ ایک ایسا سمندر ہے جو خشک نہیں ہوتا، وہ اپنے زمانے میں (ہدایت کا) دروازہ تھا اور اللہ کی حجت، امام محمد بن علیؑ کی طرف سے مخلوق پر حجت تھا). [1]

اور اب ہم بعض روایات کا ذکر کرتے ہیں جن میں ائمہؑ نے اپنے قریب ترین اور مخلص ترین پیروکاروں کی مذمت کی، تاکہ ان کی حفاظت کریں یا لوگوں کا امتحان لیں:

کشی نے محمد بن مسعود سے ... عمران زعفرانی سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: (میں نے امام صادقؑ کو ابو بصیر سے فرماتے ہوئے سنا، اور ہم اس وقت بارہ افراد تھے: زرارہ نے اسلام میں جو بدعتیں ایجاد کی ہیں، کسی اور نے ایسی چیز ایجاد نہیں کی۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو. یہ امام صادقؑ کا قول ہے). [2]

فضالہ بن ایوب نے میسر سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: ہم امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ گھر کے ایک جانب سے ایک کنیز گزری، جس کی گردن پر ایک کوزہ تھا جو اس نے الٹا رکھا ہوا تھا۔ میسر نے کہا: امام صادقؑ نے فرمایا: (میرا کیا گناہ ہے اگر اللہ نے زرارہ کے دل کو اسی طرح الٹا کر دیا ہے جیسے اس کنیز نے اس کوزے کو الٹا کیا ہے؟) [3]

اب دیکھتے ہیں کہ امام صادقؑ اس بات کی کیسے وضاحت فرماتے ہیں:

ابو غالب زراری نے کہا: (اور اسی طرح صحیح اسناد کے ساتھ عبد اللہ بن زرارہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: میرے جانب سے تمہارے والد کو سلام پہنچاؤ اور ان سے کہو: میں تم پر عیب لگاتا ہوں تاکہ تمہاری حفاظت کر سکوں، کیونکہ لوگ اور دشمن ہر اس شخص کی طرف جلدی متوجہ ہوتے ہیں جسے ہم قریب کرتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں، تاکہ اسے نقصان پہنچائیں جسے ہم محبوب رکھتے ہیں

---

[1] -خاتمة المستدرک، میرزا نوری، ج 4، ص 213.

[2] -تاریخ آل زرارة-ابو غالب الزراری، ص 63.

[3] -تاریخ آل زرارة-ابو غالب الزراری، ص 62.

اور اپنے قریب کرتے ہیں، اور وہ ہمیں اس کی محبت اور قربت کی وجہ سے موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اور اسے تکلیف دینے اور قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ ہر اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جس پر ہم عیب لگاتے ہیں۔ پس میں تم پر عیب اس لیے لگاتا ہوں کیونکہ تم ہمارے ساتھ پہچانے جاتے ہو اور ہماری طرف مائل ہو، اور اس وجہ سے تم لوگوں کے نزدیک مذموم ہو اور ہماری محبت اور ہماری طرف میلان رکھنے کی وجہ سے تمہارا اثر پسندیدہ نہیں۔ تو میں نے چاہا کہ تمہیں عیب دار ظاہر کروں تاکہ لوگ تمہارے دین کے معاملے کو تمہارے عیب اور کمی کی بنا پر پسند کریں، اور اس طرح یہ ہمارے جانب سے تم پر ان کے شر کو دفع کرنے کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (أَمّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِى الْبَحْرِ فَأَرَدتُ أَنْ أَعِيبَهَا وكَانَ وَرَاءهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً).[1] (اور وہ جو کشتی تھی، وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، کیونکہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا)۔ یہ تنزیل اللہ کی طرف سے ہے، اور وہ درست تھی۔ نہیں، اللہ کی قسم، اسے صرف اس لیے عیب دار کیا گیا تاکہ بادشاہ سے محفوظ رہے اور اس کے ہاتھوں تباہ نہ ہو۔ وہ صحیح و سالم تھی اور اس میں کسی نقص کی گنجائش نہ تھی، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ پس، اس مثال کو سمجھو، اللہ تم پر رحم کرے، کیونکہ اللہ کی قسم، تم میرے نزدیک سب سے محبوب شخص ہو اور میرے والدؑ کے اصحاب میں سے بھی سب سے زیادہ محبوب ہو، چاہے زندہ ہو یا مردہ۔ تم اس وسیع و عمیق سمندر میں سب سے بہترین کشتی ہو، اور تمہارے پیچھے ایک ظالم اور غاصب بادشاہ ہے جو ہر درست کشتی پر نظر رکھتا ہے جو ہدایت کے ساحل سے آتی ہے تاکہ اسے زبردستی قبضے میں لے لے، پھر اسے اور اس کے مسافروں کو بھی غصب کر لے۔ اللہ کی رحمت تم پر ہو، چاہے تم زندہ ہو یا وفات پا چکے ہو، اور اس کی رضا تجھ پر ہو جب تو وفات پائے۔ بے شک تیرے دونوں بیٹوں، حسن اور حسین، نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ اللہ ان دونوں کو اپنی حفاظت میں رکھے اور انہیں ان کے نیک باپ کی برکت سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ اس نے ان دو یتیم بچوں کی حفاظت کی تھی۔ پس، اپنے دل کو تنگ نہ کر و اس بات پر جو میرے والدؑ نے تمہیں حکم دیا اور جس کا میں نے تمہیں حکم دیا۔ ابو بصیر تمہارے پاس ایسی بات لے کر آیا جو اس کے برعکس تھی جو ہم نے تمہیں حکم دیا تھا۔ پس نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے نہ تمہیں کوئی حکم دیا اور نہ ہی اسے، مگر ایسے حکم کے ساتھ جو ہمارے لیے بھی گنجائش رکھتا تھا اور تمہارے لیے بھی اسے اختیار کرنے کی وسعت تھی۔ ہمارے پاس اس کے مختلف پہلو اور معانی ہیں جو حق کے مطابق ہیں، اور اگر

---

[1] - الکہف 79.

ہمیں اجازت دی جاتی تو ہم تمہیں بتاتے کہ جو حکم ہم نے دیا وہی حق ہے۔ پس، اپنے امور ہمیں لوٹا دو، اور ہمارے لیے تسلیم ہو جاؤ اور ہمارے احکام پر صبر کرو۔ اور ان (احکام) سے راضی رہو۔ وہی شخص جو تمہارے درمیان فرق ڈال رہا ہے، وہ تمہارا نگہبان ہے جسے اللہ نے اپنی مخلوق پر نگران مقرر کیا ہے، اور وہ اپنی بھیڑوں کی مصلحت کو ان کے فساد سے سب سے بہتر جانتا ہے۔ پس اگر وہ چاہے تو ان کے درمیان جدائی ڈال دے تاکہ وہ محفوظ رہیں، پھر جب چاہے ان کو اکٹھا کر دے تاکہ وہ فساد اور دشمن کے خوف سے امن میں آ جائیں، ان چیزوں کے مطابق جو اللہ کی اجازت سے واقع ہوں گی۔ اور اللہ کی طرف سے انہیں امن اور کشادگی نصیب ہو گی۔ تم پر لازم ہے کہ تسلیم ہو جاؤ، ہمارے حکم کی طرف رجوع کرو، ہمارے اور اپنے حکم کا انتظار کرو، اور ہماری اور اپنی کشادگی کا منتظر رہو۔ جب ہمارا قائمؑ قیام کرے گا اور ہمارا متکلم کلام کرے گا، تو وہ تمہیں دوبارہ قرآن، شریعت، احکام اور فرائض اس طرح سکھائے گا جیسے اللہ نے انہیں محمدؐ پر نازل کیا تھا۔ اس وقت تم میں سے اہل بصیرت اس پر شدید انکار کریں گے، اور تم دین خدا اور اس کے طریقے پر قائم نہ رہو گے، سوائے اس کے کہ تمہاری گردنوں پر تلوار رکھ کر تمہیں سیدھا کیا جائے۔ بے شک لوگوں نے نبی ؐ کے بعد اس راستے پر چلنا شروع کر دیا جو اللہ نے پہلے امتوں کے ساتھ مقرر کیا تھا، پس انہوں نے دین میں تبدیلی کی، اسے بدل ڈالا، تحریف کی، اللہ کے دین میں اضافہ کیا اور اس میں کمی کر دی۔ چنانچہ آج جو کچھ بھی لوگوں کے پاس ہے، وہ سب اس وحی سے منحرف ہو چکا ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی...).[1]

محمد بن سنان کی کہانی کو دیکھو:

محمد بن اسماعیل بن بزیغ سے روایت ہے: (ابو جعفرؑ مجھے صفوان بن یحییٰ اور محمد بن سنان پر لعنت کرنے کی خبر دیتے تھے، اور کہتے تھے: یہ دونوں میری بات کی مخالفت کرتے ہیں۔ پھر کہا: جب اگلا سال آیا، ابو جعفرؑ نے محمد بن سہل البحرانی سے کہا: صفوان بن یحییٰ اور محمد بن سنان کی مدد کرو، کیونکہ میں ان سے راضی ہوں).

اور خوئی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا: (اقول: الروایۃ صحیحۃ علی الاظہر).[2]

ابو طالب عبداللہ بن صلت قمی کہتے ہیں: (میں امام محمد تقیؑ کے پاس ان کی زندگی کے آخری ایام میں گیا، تو میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا: جزاکم اللہ خیراً صفوان بن یحییٰ، محمد بن سنان، اور زکریا بن آدم، بے شک انہوں نے میرے ساتھ وفا کی۔ لیکن انہوں نے سعد بن سعد کا ذکر نہیں کیا: پھر میں وہاں سے نکلا اور موفق

---

1 - تاریخ آل زرارۃ-ابو غالب الزراری: ص66 - 68 .

2 - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 17 ص 160، 171، نمبر10938 .

سے ملا، تو میں نے اس سے کہا: میرے مولا نے صفوان، محمد بن سنان، اور زکریا بن آدم کا ذکر کیا اور ان کے لیے خیر کی دعا کی، لیکن سعد بن سعد کا ذکر نہیں کیا۔ پھر میں واپس امامؑ کے پاس آیا، تو انھوں نے فرمایا: جزاکم اللہ خیراً صفوان بن یحییٰ، محمد بن سنان، زکریا بن آدم اور سعد بن سعد، بے شک انہوں نے میرے ساتھ وفا کی).[1]

اور اسی طرح، خوئی نے اپنی معجم کی جلد 17، حدیث نمبر 10938 میں اس روایت کی سند کی صحت کا اعتراف کیا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ خوئی نے ان روایات اور دیگر کو ترک کر دیا اور ابن عقدہ، نجاشی اور دیگر کے تضعیف کو اختیار کیا، اور بدترین مصیبت وہ ہوتی ہے جو ہنسا دیتی ہے!!!

خوئی نے کہا: (میں کہتا ہوں: روایات سے حاصل ہونے والا نتیجہ یہ ہے کہ محمد بن سنان، اہل بیت نبی ؐ کی ولایت کو ماننے والوں میں سے تھا اور اللہ کی بندگی اسی ولایت کے ساتھ کرتا تھا، پس وہ ممدوح (قابلِ تعریف) ہے۔ اگر اس میں کوئی مخالفت پائی بھی گئی ہو، تو وہ ختم ہو چکی ہے اور معصومؑ اس سے راضی ہو چکے ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ نے اسے ان لوگوں میں شمار کیا ہے جو ممدوح اور حسن الطریقہ تھے. الغیبۃ: باب جس میں غیبت کے زمانے میں موجود سفیروں کی کچھ خبریں بیان کی گئی ہیں۔

اگر ابن عقدہ، النجاشی، شیخ (طوسی)، شیخ مفید اور ابن غضایری نے اس کی تضعیف نہ کی ہوتی، اور فضل بن شاذان نے اسے جھوٹوں میں شمار نہ کیا ہوتا، تو اس کی روایات پر عمل کرنا ضروری ہوتا۔ لیکن ان بزرگ علماء کی تضعیف نے ہمیں اس پر اعتماد کرنے اور اس کی روایات پر عمل کرنے سے روکا ہے۔ اور اسی لیے شیخ مفید کا اسے ثقہ سمجھنا قابل اعتماد نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے اسے اس شخص میں شمار کیا جو امام علی رضاؑ کے بارے میں نص کو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جو ان کے خاص، ثقہ، اہل تقوی، علم و فقہ میں ماہر اور ان کے شیعوں میں سے تھے).[2]

تو آپ دیکھیں گے کہ شیخ طوسی نے اسے اپنی کتاب "رجال" میں ضعیف قرار دیا ہے صفحہ 364 پر نمبر 5394، اور اس کی تعریف کی ہے اور اسے اہل بیتؑ کے وکلاء میں سے ممدوحین میں شمار کیا ہے اپنی کتاب "الغیبۃ" میں، صفحہ 348 پر باب ذکر الممدوحین من وکلاء الائمۃؑ.

---

1 -اختیار معرفۃ الرجال، شیخ طوسی، ج 2 ص 792، نمبر 963.

2 -یہی سابقہ ماخذ.

بلکہ اس میں اتنی اضطراب ہوئی کہ خود شیخ مفید (رحمت اللہ علیہ) بھی متذبذب ہوئے، انہوں نے اپنی کتاب "رسالہ عددیہ" میں اسے ضعیف قرار دیا، اور کہا:

(... محمد بن سنان پر الزام ہے، اس کی تہمت اور کمزوری پر گروہ میں اختلاف نہیں، اور جو شخص اس طرح کا ہو اس پر دین میں عمل نہیں کیا جاتا). [1] پھر اس نے اپنی کتاب "ارشاد" میں اسے جماعت کے درمیان ثقہ قرار دیتے ہوئے کہا: (پھر وہ افراد جنہوں نے امام علی بن موسیٰ الرضا ؑ کی امامت کے بارے میں اپنے والد سے نص نقل کیا اور اس امر کی طرف ان کی جانب سے اشارہ کیا ہے، ان کے خاصان، ثقہ افراد، اور شیعہ میں سے اہلِ ورع، علم اور فقہ:.... اور محمد بن سنان). [2]

اور اسی طرح علامہ حلی بھی اس کے بارے میں مضطرب رہے، پس انہوں نے اپنی کتاب "الخلاصة" میں اس کی روایت کو لینے اور اس پر اعتماد کرنے سے توقف کیا، جہاں انہوں نے کہا: (ہمارے علماء نے اس کے معاملے میں اختلاف کیا ہے،... یہاں تک کہ کہا: اور میرے نزدیک اس کی روایت میں توقف کرنا بہتر ہے...). [3]

اور اسی طرح علامہ حلی نے "المختلف" اور "منتہی المطلب" میں محمد بن سنان کی بہت سی روایات میں توقف کیا، ان میں سے بعض ذکر کرتا ہوں:

الف: "مختلف الشیعة" جلد 2، صفحہ 425 میں کہا: (.... اور جواب یہ ہے: سند کی صحت سے منع کیا جائے گا، کیونکہ اس کے طریقے میں محمد بن سنان ہے، اور اس کے بارے میں قول ہے...)

ب: "مختلف الشیعة" جلد 7، صفحہ 131 میں کہا: (پس جواب یہ ہے کہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس کے طریقے میں محمد بن سنان ہے)۔

ج: "منتہی المطلب" (طبع جدید) علامہ حلی، جلد 3، صفحہ 87 میں کہا: (اور مزید یہ کہ اس کے طریقے میں محمد بن سنان ہے، اور وہ ضعیف ہے)۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب (الرجال) میں محمد بن سنان کی روایات پر عمل کو راجح قرار دیا، جیسا کہ مختلف الشیعة جلد 7، صفحہ 8 میں ذکر کیا، جہاں کہا: (ہم نے کتاب الرجال میں محمد بن سنان کی روایت پر عمل کے راجح ہونے کو بیان کیا ہے).

---

[1] -جوابات اہل الموصل، ص 20-19.

[2] -الاِرشاد، شیخ مفید، ج 2، ص 248-247.

[3] -خلاصةالأقوال، علامہ حلی، ص 394.

اور اسی طرح "منتهی المطلب" (طبع قدیم) جلد 1، صفحہ 318 میں، اس نے ایک روایت کو صحیح قرار دیا جس میں، سند میں محمد بن سنان تھا، جہاں کہا: (اور محمد بن سنان سے صحیح روایت ہے، جو انہوں نے ابو عبد اللہؑ سے نقل کی، کہا: کوئی نماز نہیں ہے ....).

تو اس اضطراب اور تضاد کے درمیان حق کی بات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اور وہ اہل بیتؑ کی روایات ہیں۔ اور خوئی پر یہ لازم تھا کہ وہ ایسا کرتے، خاص طور پر جب کہ انہوں نے محمد بن سنان کی مدح میں کچھ روایات کی صحت کا اعتراف کیا تھا، لیکن اللہ کے کاموں میں کوئی جاننے والا نہیں ہوتا.

اور حر عاملی (رحمت اللہ علیہ) نے اسے ثقہ قرار دیا اور کہا کہ ضعیف قرار دینا ابن عقدہ زیدی جارودی کے رائے پر مبنی تھا.[1]

اور جہاں تک اماموںؑ کے اپنے خاص اصحاب کی عیب جوئی کا تعلق ہے، تو یہ ایک حکمت کے تحت ہوتی تھی جو وہ دیکھتے تھے، میں محمد بن سنان کے بارے میں درج ذیل روایت ذکر کرتا ہوں:

حسن بن علی سے حسن بن شعیب سے محمد بن سنان سے. اس نے کہا: (میں امام ابو جعفر ثانیؑ کے پاس آیا، تو آپ نے مجھ سے کہا: اے محمد! تمہارا کیا حال ہوگا جب میں تم پر لعنت بھیجوں گا، تمہیں اپنے سے براءت دوں گا اور تمہیں تمام جہانوں کے لیے فتنہ بنا دوں گا؟ میں تمہارے ذریعے جسے چاہوں گا ہدایت دوں گا اور جسے چاہوں گا گمراہ کر دوں گا۔ میں نے کہا: آپ اپنے بندے کے ساتھ جو چاہیں کریں، اے میرے آقا! آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ پھر فرمایا: اے محمد! تم اللہ کے بندے ہو جنہوں نے اللہ تم کو خالص کر لیا ہے، میں نے اللہ سے تمہارے بارے میں راز و نیاز کی، تو اللہ نے اصرار کیا کہ وہ تمہارے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرے گا اور بہت سوں کو ہدایت دے گا).[2]

اور اس موضوع پر حدیث کا اختتام میں اس روایت سے کرتا ہوں جو محمد بن سنان کے بلند مقام کی دلیل ہے:

محمد بن سنان نے کہا: (میں امام ابو الحسن موسیٰؑ کے پاس آیا، جب کہ وہ عراق جانے سے ایک سال پہلے تھے... یہاں تک کہ امام رضاؑ نے فرمایا: اسی طرح میں نے تجھے امیر المومنینؑ کی صحیفہ میں پایا، تم ہمارے شیعہ ہو، جو رات کی تاریکی میں بجلی سے زیادہ واضح ہو، پھر فرمایا: اے محمد! مفضل میرا ہم نشین اور آرام دہ ہے،

---

[1] -وسائل الشیعۃ (آل البیت)، حر عاملی، ج 30 (الخاتمۃ)، ص 473-474.

[2] -اختیار معرفۃ الرجال، شیخ طوسی، ج 2، ص 849.

اور تم ان دونوں کے ہم نشین اور آرام ہو آگ پر حرام ہے کہ وہ تجھے کبھی بھی اپنے اندر رکھے، میرا مطلب ابو الحسنؑ اور ابو جعفرؑ ہیں)۔[1]

ساتویں بات: وصیت کے راوی

اب ہم رسول محمدؐ کی وفات کی رات کی وصیت سے متعلق روایت، اس کی صحت اور اس پر اعتماد کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ میں اس معاملے میں ان لوگوں کی جہالت کو واضح کرنے سے آغاز کرتا ہوں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اس روایت کے تمام یا بعض راوی مجہول ہیں۔ پس میں کہتا ہوں:

1. میں نے اس سے پہلے (چوتھا امر) میں بیان کیا کہ ہر وہ راوی جس کا ذکر شیخ طوسی، نجاشی اور ان جیسے متقدمین نے نہ کیا ہو، اسے مجہول نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی اس کی روایت کو ناقابلِ اعتماد سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ متأخرین نے مستدرکات اور معاجم مرتب کیے اور ہزاروں ایسے رجال کا ذکر کیا یا ان کے حالات بیان کیے جنہیں متقدمین نے اپنی کتبِ رجالیہ میں نہیں ذکر کیا تھا۔ اور انہوں نے اس سلسلے میں کئی قرائن اور مؤیدات پر اعتماد (بھروسہ) کیا تاکہ ان راویوں کی وثاقت کا حکم لگایا جا سکے، جن کا احاطہ نجاشی اور طوسی (رحمہما اللہ) جیسے علما نے نہیں کیا تھا۔

اور شیخ علی النمازی الشاہرودی نے اپنی کتاب (مستدرکات علم رجال الحدیث) میں وصیت کی روایت نقل کرنے والے ان راویوں کا ذکر کیا ہے جن کا متقدمین نے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ان کی وثاقت، حسنِ حال، اور کمالِ عقیدہ پر استدلال ان روایات کے ذریعے کیا جو اہلِ بیتؑ کے فضل، امامت، اور بلند مقام پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس بات کو ایک قرینہ قرار دیا، جس کی بنیاد پر انہوں نے بہت سے رجال کو موثق سمجھا، اور یہ ایک عمومی اصول ہے جو ہر اس شخص پر لاگو ہوتا ہے جو اس صفت کا حامل ہو، خاص طور پر وہ افراد جن کے بارے میں کسی معتمد ذریعہ سے قدح (جرح) یا تضعیف منقول نہ ہو۔

اور یہ بات تمام روایات وصیت پر لاگو ہوتا ہے، اور شیخ علی النمازی الشاہرودی کا کلام جو وصیت کے راویوں کی ترجمت کے بارے میں ہے، آگے ذکر کیا جائے گا، تو براہ کرم انتظار کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

2. راوی کو مجہول نہیں کہا جاتا اگر اس کی کچھ حالتیں، چاہے وہ عمومی طور پر ہی کیوں نہ ہوں، معلوم ہوں، جیسے کہ اس کا کسی سند میں آنا جس پر یہ حکم لگایا گیا ہو کہ وہ شیعی ہے یا یا اس کے جیسے کوئی چیز۔

---

[1] -اختیار معرفۃ الرجال، شیخ طوسی، ج 2، ص 797-796.

اور وصیت کے راویوں کے بارے میں شیخ طوسی نے یہ تصریح کی کہ وہ شیعہ تھے جب انہوں نے ان روایات کا ذکر کیا جنہیں انہوں نے "عن طریق الخاصۃ" (یعنی شیعہ) کے طریقے سے بیان کیا تھا اور ان میں وصیت کی روایت بھی شامل تھی۔ شیخ طوسی نے سب سے پہلے روایات العامۃ (یعنی غیر شیعہ) نقل کیں جو بارہ اماموں کی امامت کی وضاحت کرتی ہیں، اور کہا: "اور یہ جو صاحب الزمان ابن الحسن بن علی بن محمد بن الرضاؑ کی امامت اور ان کی غیبت کے صحیح ہونے پر دلیل ہے، وہ دونوں جماعتوں (عامہ اور امامیہ) کی روایات سے ہے... یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں: جو کچھ اس بارے میں شیعہ مخالفین کی طرف سے روایات آئی ہیں...).[1]

پھر انہوں نے خاصہ (یعنی شیعہ) کے طریقوں سے مروی روایات کا ذکر کرنا شروع کیا اور ان میں سے وصیت کی روایت کا بھی ذکر کیا، جو کہ اس وقت زیر بحث ہے، اور یہ ہیں ان کے الفاظ: (فأما ما روی من جهة الخاصة فأكثر من إن يحصى، غير إنا نذكر طرفا منها....؛ رہی وہ روایت جو خاصہ (شیعہ) کی جانب سے مروی ہے، تو وہ شمار سے زیادہ ہے، مگر ہم ان میں سے کچھ حصہ ذکر کرتے ہیں....).[2]

اور انہوں نے روایات بیان کرنا شروع کیں یہاں تک کہ وصیت کا بھی ان میں ذکر کیا، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وصیت کے تمام راوی شیعہ امامیہ میں سے ہیں، اور اسی سے ان کی مجہول نہ ہونا ثابت ہوتی ہے۔ پس طوسی اور دیگر کے کتاب رجال میں سیکڑوں افراد کو صرف نام یا مذہب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جیسے کہ کہا ہے: "یہ عامی (اہل سنت) ہے" یا "یہ شیعہ ہے" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ، اور محض اسی بنیاد پر ان کی معلومیت اور مجہول نہ ہونا کا حکم لگایا گیا؟

اسی طرح میرزا نوری نے ان روایات کو، جو اہل بیت کے عظیم فضائل اور ان کے مقامات کو بیان کرتی ہیں، ان کے راویوں کے شیعہ ہونے پر دلیل قرار دیا، جیسا کہ اسی کے بارے میں ان کی کتاب خاتمۃ المستدرک کے تحقیق کے مقدمے میں ذکر کیا گیا ہے:

7. (راوی کی وثاقت کو سند سے اور اس کے تشیع کو متن سے ثابت کرنا، جیسے کہ اگر اس سے روایت کرنے والا جلیل القدر ہو، جیسا کہ سابقہ نشانیوں میں بیان ہوا، اور یہ کہ جس کی روایت کی جا رہی ہے، وہ ایسی

---

[1] -الغیبۃ، شیخ طوسی، ص 126.

[2] -الغیبۃ، شیخ طوسی، ص 137.

فضیلت یا مقام ہو جس کا بیان آل محمدؑ کے دشمنوں پر بھاری ہو، جیسے (2025) میں اور اس کے علاوہ بہت سی دیگر روایات میں). [1]

اور روایتِ وصیت ان تمام دعووں کو باطل کر دیتی ہے جو آلِ محمدؑ کے حق پر غاصب ہونے والوں نے کیے، پہلے اور دوسرے (خلفاء) سے لے کر امویوں اور پھر عباسیوں تک؛ کیونکہ یہ روایت صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ رسولِ خدا محمدؑ کی خلافت خاص طور پر علی بن ابی طالب اور ان کی ذریت کے لیے ہے، قیامت کے دن تک۔ اس کے علاوہ، اس روایت میں اہلِ بیتؑ کے مقامات اور فضائل کا بھی ذکر ہے، جو آلِ محمدؑ کے غاصبوں اور ان کے پیروکاروں کے لیے ناقابلِ برداشت، سخت اور تکلیف دہ ہیں۔ لہٰذا، یہ روایت نہ صرف اس کے راویوں کے تشیع پر دلالت کرتی ہے بلکہ ان کی وثاقت اور حسنِ عقیدہ کو بھی ثابت کرتی ہے، جیسا کہ شیخ نمازی شاہرودی نے اس پر صراحت کی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

3. بلکہ ان کے تشیع کے علاوہ، ان کی وثاقت بھی ثابت ہے، جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے میرزا نوری سے نقل کیا گیا، کہ وہ راوی کی وثاقت کو سند کے ذریعے ثابت کرتے ہیں، چاہے کسی نے صراحتاً اس کی وثاقت کا ذکر نہ کیا ہو۔ اور یہ اس طریقے سے ہوتا ہے کہ اگر جلیل القدر اور عظیم شخصیات کسی راوی سے روایت کریں، کیونکہ ایسے افراد کسی راوی کی نقل پر ہرگز اعتماد نہیں کر سکتے، جب تک کہ وہ اس کی مطلق وثاقت یا کم از کم اس خاص روایت میں اس کی وثاقت پر مطمئن نہ ہو جائیں۔ اور بہت سے علماء نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو غیر موثق راویوں کی روایت کو ان قرائن کے بغیر قبول کرتے ہیں جو ان کی سچائی اور وثاقت کو ثابت کرتے ہوں۔ تو پھر جلیل القدر اور فضلاء سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسا کریں گے؟!!

نصِ وصیت کو نقل کرنے اور روایت کرنے کا شرف جعفری مذہب کے ثقہ اور عظیم علماء کو حاصل ہوا، جیسے شیخ طوسی، احمد بن عبدون یا غضائری، بزوفری، علی بن الحسین شیخ صدوق کے والد، اور حسین بن علی المصری۔ یہ سب وہ شخصیات ہیں جو مستند کتب اور اصولوں کے مالک ہیں، جن پر بر حق شیعہ جعفری مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ تو پھر یہ کیسے متوقع ہو سکتا ہے کہ وہ نقل میں ایسے شخص پر اعتماد کریں جس کی روایت اور نقل پر بھروسہ نہ کیا جا سکے؟!

پھر ان جلیل القدر علماء کا وصیت کے راویوں سے روایت کرنا اور ان پر اعتماد کرنا—جن کی صریح ترجمة (سوانح) متقدمین نے بیان نہیں کی، جیسے احمد بن محمد بن الخلیل—یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان راویوں کو

---

[1] -خاتمة المستدرک، میرزا نوری، ج 1، ص 72، مقدمہ تحقیق.

اپنے نزدیک ثقہ سمجھتے تھے۔ ورنہ، اگر وہ ان کے لیے مجہول ہوتے یا ان کی وثاقت پر کوئی قرینہ موجود نہ ہوتا، تو وہ ہرگز ان سے روایت نہ کرتے اور ان پر اعتماد نہ کرتے۔

لہٰذا، وصیت کے راویوں کے تشیّع کے ساتھ ساتھ ان کی وثاقت اور صداقت بھی ثابت ہوتی ہے، اور اس حالت میں کوئی جاہل شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ مجہول ہیں یا ان کی نقل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

لہٰذا، ہم دیکھتے ہیں کہ خود میرزا نوری نے اپنی کتاب النجم الثاقب، جلد 2، صفحہ 71 پر روایتِ وصیت کے سند کو معتبر قرار دیا ہے، جب وہ امام مہدیؑ کی نسل کے اثبات پر استدلال کررہے تھے۔ انہوں نے کہا:

(شیخ طوسی نے معتبر سند کے ساتھ امام صادقؑ سے ایک خبر روایت کی ہے جس میں رسول اللہ ؐ کی کچھ وصیتیں ذکر کی گئی ہیں جو آپ نے امیر المؤمنینؑ کو اپنی وفات کی رات میں کیں، اور اس کے بعض فقروں میں یہ کہا: "جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہو، تو اسے اپنے بیٹے، جو اولین مقربین میں سے ہوں، کے حوالے کر دیں... اور آخر تک").

اور ان کا کہنا: (بسند معتبر) یعنی وہ سند جس پر اعتماد کیا جائے کیونکہ اس کے راویوں کی وثاقت غیر محصور قرائن سے ثابت ہے جو کتابوں میں صرف توثیق کے ذریعے نہیں بلکہ دیگر مختلف دلائل سے ثابت ہیں۔ اس سے وصیت کے تمام راویوں کی وثاقت ثابت ہوتی ہے، خاص طور پر جب پیش کی جانے والی باتوں اور آنے والی تفصیلات کو مدنظر رکھا جائے۔ اور آپ کو (الحدیث المعتبر) کی تعریف نہایۃ الدرایۃ کے مؤلف سید حسن صدر کی کتاب سے پیش کی جاتی ہے:

انہوں نے کہا: ("المعتبر" یعنی وہ حدیث جو یا تو اس لیے معتبر ہو کہ اس کی سند صحاح، حسان یا موثقات میں سے ہو، یا اس لیے معتبر ہو کہ وہ ان اصولِ معتمدہ میں سے ہو جن کے اعتبار پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہو، چاہے وہ اثنا عشری شیعہ کی کتابوں میں سے ہوں، جیسے زرارۃ، محمد بن مسلم، فضیل بن یسار اور ان جیسے دیگر افراد کی کتابیں، جن کی تصدیق پر اجماع کیا گیا ہے۔

اور اسی طرح ان کتابوں میں سے بھی جو ان شخصیات کی روایات پر مشتمل ہیں جن کے بارے میں اجماع کیا گیا ہے کہ جو کچھ ان سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہو، وہ صحیح ہے، جیسے صفوان بن یحییٰ، یونس بن عبد الرحمٰن، اور احمد بن محمد بن ابی نصر۔ یا وہ کتابیں جو معصومؑ پر پیش کی گئیں اور جن کے مؤلف کی معصومؑ نے تعریف کی، جیسے عبید اللہ حلبی کی کتاب، جسے امام صادقؑ پر پیش کیا گیا، اور یونس بن عبد الرحمٰن اور فضل بن شاذان کی کتابیں، جو امام عسکریؑ پر پیش کی گئیں، اور اسی طرح حریز بن عبد اللہ کی "کتاب الصلاۃ"، بنی سعید اور علی بن

مہزیار کی کتابیں۔ یا وہ کتابیں جو غیر امامیہ کی تھیں، جیسے حفص بن غیاث کی کتاب، حسین بن عبد اللہ التعدی کی کتاب، اور علی بن حسن الطاطری کی کتاب "القبلۃ".

یا وہ حدیث ان افراد سے مروی ہو جن کی روایات پر عمل کرنے پر اجماع کیا گیا ہے، جیسے عمار الساباطی اور ان جیسے دیگر راوی، جنہیں شیخ طوسی نے (العدۃ) میں شمار کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی دیگر امور ہیں جو ماہر پر مخفی نہیں ہیں، بلکہ بعض اوقات اعتبار (یعنی روایت کے قابلِ قبول ہونے) کا تعین دیگر پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر بھی کیا جا سکتا ہے).[1]

پھر شیخ طوسی (رحمہ اللہ) نے اس روایت سے ائمہؑ کی امامت پر استدلال کیا اور اسے ضمنی طور پر ان روایات کے ساتھ صحیح قرار دیا جو انہوں نے خاصہ (شیعہ) کے طریقوں سے نقل کی ہیں، جیسا کہ انہوں نے کہا: (رہی وہ چیز جو اس کی صحت پر دلالت کرتی ہے، تو یہ کہ شیعہ اسے تواتر کے ساتھ نسل در نسل روایت کرتے آئے ہیں، اور اس کی تصحیح کا طریقہ امامیہ کی کتابوں میں ان نصوص کے ضمن میں موجود ہے جو امیر المؤمنینؑ کی نص پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ طریقہ ایک ہی ہے).[2]

3. اور ان امور میں سے جو وصیت کے راویوں کے مجہول نہ ہونے کی تائید کرتے ہیں، ان میں علامہ حلی کا وہ نظریہ بھی شامل ہے جس کے مطابق وہ شیعہ راوی، جن کے بارے میں نہ مدح (تعریف) وارد ہوئی ہو اور نہ قدح (جرح)، ان کی عدالت (ثقہ ہونے) کے قائل ہیں۔ بعض علماء نے ان سے یہی نظریہ مستفاد کیا ہے، بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ ان کا صریح قول ہے، بلکہ اس نظریے کو بہت سے اکابر متقدمین کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے:

علامہ حلی نے احمد بن اسماعیل بن سمکہ بن عبد اللہ کے ترجمہ میں کہا: (... ہمارے علماء نے اس کی توثیق پر تصریح نہیں کی اور اس کے بارے میں کوئی جرح بھی نقل نہیں کی، پس اس کی روایت کو، جب تک معارض سے سالم ہو، قبول کرنا اقویٰ ہے).[3]

محقق خوئی نے علامہ حلی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: (میں کہتا ہوں: یہ کلام اس بات میں صریح ہے کہ علامہ (قدس سرہ) ہر اس امامی کی عدالت کے اصل ہونے (اصالۃ العدالۃ) پر اعتماد کرتے ہیں، جس کا فسق

---

1 - نہایۃ الدرایۃ، سید حسن صدر، ص 171-174 .

2 - الغیبۃ، شیخ طوسی، ص 111.

3 - خلاصۃ الأقوال، علامہ حلی، ص 66.

ثابت نہ ہو، جیسا کہ اس نسبت کو فقہاء کی ایک جماعت کی طرف دیا گیا ہے، اور ہم نے اسے ابراہیم بن سلام (سلامۃ) کے ترجمے میں کئی اکابر سے پہلے ہی مستفاد کیا تھا، اور جب یہ موقف دیگر اکابر سے صادر ہوا ہے تو علامہ سے اس کا صدور بھی کوئی بعید امر نہیں). [1]

خوئی نے کہا: (... بے شک علامہ اس پر اعتماد کرتے ہیں جس کے بارے میں کوئی قدح وارد نہ ہو اور اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔ اس بات کی صراحت انہوں نے احمد بن اسماعیل بن سمکہ کے ترجمے میں کی ہے...). [2]

وصیت کی روایت کرنے والے تمام افراد شیعہ ہیں، جیسا کہ شیخ طوسی نے ضمناً اس کی تصریح کی ہے، اور اسی طرح شیخ نمازی شاہرودی نے بھی اس کا صراحتاً ذکر کیا ہے۔ نیز، میرزا نوری کے اس منہج سے بھی یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ وہ راوی کے تشیع کو روایت کے متن سے ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کوئی مذمت وارد نہیں ہوئی، لہٰذا علامہ حلی اور دیگر متقدّمین اکابر کے منہج کے مطابق ان کی عدالت کا حکم دیا جائے گا۔ اور جب ان کی عدالت اور سابقہ بیان شدہ امور کو مدنظر رکھا جائے، تو کسی بھی صورت میں انہیں مجہول قرار دینا ممکن نہیں۔

آٹھویں بات: وصیت کے چھ راوی اصحاب اصول میں سے ہیں

وصیت کی روایت کرنے والے چھ افراد معتبر کتب اور اصول کے اصحاب ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ثقہ افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں بعض اکابر اور عظیم شخصیات ہیں، جو فضل، علم اور ورع میں (عَلَم پر آگ کی طرح ہیں) نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

چونکہ یہ معتبر کتب کے اصحاب ہیں، یقیناً وصیت کی روایت ان کی کتب میں یا بعض کی کتب میں، یا کم از کم کسی ایک کی کتاب میں درج ہے اور اس سے نقل کی گئی ہے۔ خاص طور پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عبدون کے سوا ان سب کے پاس امامت اور ائمہؑ کی تعداد سے متعلق کتب موجود تھیں، تو یہ اس بات کی تائید اور تصدیق کرتا ہے کہ وصیت کی روایت ان کی کتب یا بعض کی کتب میں ثبت تھی۔ کیونکہ یہ روایت امامت اور نبی اکرمؐ کی ذریّت میں سے ائمہ و اوصیاء کی تعداد کو بیان کرتی ہے۔ یہ ایک مشہور و معتمد اصول ہے کہ اگر کسی روایت یا خبر کا کسی ایک معتبر اصل یا کتاب میں پایا جانا ثابت ہو جائے، خاص طور پر ثقہ افراد کی کتب میں، تو یہ

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی: ج 2، ص 57-58.

[2] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 1، ص 278.

اس روایت کی صحت پر دلیل اور قرینہ ہوتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کا سندی پہلو کیسا ہو۔ اس بات کو کئی علماء، جیسے کہ حرّ عاملی، میرزا نوری اور دیگر نے بیان کیا ہے اور تاکید کی جاتی ہے کہ وصیت کی روایت ثقہ و جلیل القدر بزوفری کی کتاب سے نقل کی گئی ہے، جیسا کہ عنقریب وضاحت کی جائے گی۔

یہ چھے افراد جو اصول (کتابوں) کے مالک ہیں، اس طرح ہیں:

1. شیخ طوسی: جو کہ تعارف سے بے نیاز ہیں اور انہوں نے وصیت کی روایت اپنے ایک معتبر کتاب میں ذکر کی ہے، یعنی کتاب "الغیبۃ" میں، جس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ پہلا طبقہ کی معتبر کتابوں میں سے ہے۔

2. ابن عبدون: اور شیخ نجاشی نے ان کی پانچ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

3. الحسین بن عبید اللہ الغضائری: اور نجاشی نے ان کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک کتاب عدد الائمۃ وما شذ علی المصنّفین فی ذلک؛ (اماموں کی تعداد اور اس موضوع پر مصنفین سے جو کچھ مختلف ہے ہے).

4. الحسین بن علی البزوفری: نجاشی نے ان کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں (الرد علی الواقفۃ) اور (سیرۃ النبی والائمّۃ الا فی المشرکین) شامل ہیں۔ اور تاکید کی جاتی ہے کہ شیخ طوسی نے وصیت کی روایت البزوفری کی ایک کتاب سے نقل کی ہے؛ کیونکہ ان کی عادت تھی کہ وہ سند دینے سے پہلے (عن جماعۃ) کہنے کے بعد صاحب کتاب یا وہ اصل (ماخذ) جس سے یہ خبر لی گئی ہے، کا ذکر کرتے تھے، جیسا کہ انہوں نے خود بھی کہا ہے۔ شیخ طوسی نے وصیت کی روایت میں (عن جماعۃ) کے بعد البزوفری کا ذکر کیا، اور یہ خود ہی اس روایت کے معتبر ہونے کے لیے کافی ہے، چاہے وہ دوسری کتابوں میں نہ بھی ہو؛ کیونکہ البزوفری ایک جلیل القدر ثقہ شخصیت ہیں، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ امام مہدیؑ کے وکلاء میں سے تھے، یہ بات ایک روایت سے استفادہ کی جاتی ہے۔ اس موضوع کی تفصیل میں نے کتاب (دفاعا عن الوصیۃ) میں بیان کی ہے، پس جو مکمل آگاہی چاہے، وہ رجوع کرے۔

5. علی بن حسین، والد شیخ صدوق: شیخ طوسی نے ان کے بیس کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں کتاب (الإمامۃ والتبصرۃ من الحیرۃ)، کتاب (النوادر)، کتاب (قرب الإسناد)، اور کتاب (التسلیم والتمییز) شامل ہیں۔

6. علی بن حسین المصری: نجاشی نے ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے ایک کتاب (الإمامۃ) ہے۔

نویں بات: وصیت کی صحت کی قرائن

میں نے کتاب (دفاعاً عن الوصیۃ) میں کئی ایسی قرائن ذکر کی ہیں جو وصیت کی روایت کی صحت اور اس کے معصومینؑ سے صادر ہونے پر قطعی یقین دلاتی ہیں۔ بلکہ اس سے وہ قطعی علم حاصل ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پابند بنایا ہے۔ لہٰذا، اس کے راویوں کی وثاقت کو کتبِ رجال سے جانچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہی کتبِ رجال ہیں جنہیں آج کچھ جاہل لوگ روایات کو قبول یا رد کرنے کا واحد معیار سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کتابوں کے مصنفین نے خود بھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ مزید برآں، ان کتابوں میں پائے جانے والے تناقضات، ان کی غلطیاں، خود ان کی کمزوری، اور ان میں راویوں کی قلیل تعداد ...آخر تک، جو پہلے بیان ہو چکی ہیں، بھی قابلِ غور ہیں۔ بلکہ شیخ طوسی نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو اس سے سند کی تحقیق کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے، بلکہ وہ قرینہ بذاتِ خود علم کا باعث بنتا ہے۔ صحیح سند والی خبر کے برخلاف، جسے وہ صرف ظن (گمان) کے لیے مفید سمجھتے ہیں جو فقہ میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، نہ کہ یہ علم یا قطعیت کا سبب بنے۔ چنانچہ شیخ طوسی نے اپنی کتاب (العدۃ) (جلد 1، صفحہ 126، طبع جدید) میں کہا: (...اگر وہاں کوئی قرینہ ہو جو اس کی صحت پر دلالت کرے تو قرینہ کو اہمیت دی جائے گی، اور یہ علم کا باعث بنے گا...)

اور میں نے کتاب (دفاعاً عن الوصیۃ) میں وصیت کی روایت کی صحت کے قرائن کو تفصیل سے بیان کیا ہے، پس جو شخص مکمل معلومات چاہے، وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

دسویں بات: حدیث کی اقسام

بہت سے جدید علما نے حدیث کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے: صحیح، حسن، قوی، موثق اور ضعیف۔

انہوں نے قوی کو اس طرح تعریف کیا ہے کہ وہ حدیث جس کے راوی امامیہ ہوں اور ان کے بارے میں کوئی تنقید یا مدح نہ کی گئی ہو۔ اس قسم کی حدیث کو بطور حجت استعمال کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر اگر اسے بعض قرائن اور مؤیدات کے ساتھ پیش کیا جائے جو اس کے امامیہ راویوں کی وثاقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، تو اس وقت اسے حسن یا صحیح کے درجے میں شامل کیا جا سکتا ہے، اس کی مؤیدات کی نوعیت کے مطابق۔

سید حسن صدر نے "نہایۃ الدرایۃ" میں درج ذیل کہا:

("تیسرا نوع: قوی" ... یعنی وہ روایت جس میں سلسلہ سند امامی ہو "اور ان کی مدح اور ذم کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہو"، چاہے تمام راویوں کی یا کچھ کے یا صرف ایک راوی کی، باقی سب راویوں کی تعدیل

کے ساتھ، تو اصطلاحاً وہ قوی شمار کی جاتی ہے کیونکہ اس میں ظن کی قوت پائی جاتی ہے... یہاں تک کہ کہا: (اور یہ چار قسمیں کے علاوہ) یعنی صحیح، حسن، قوی اور موثق:

پانچواں قسم: ضعیف، ہمارے نزدیک ضعیف وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں کوئی مذموم شخص ہو، یا عقیدے میں فاسد ہو اور اس کی ثقہ ہونے پر کوئی نص موجود نہ ہو یا مجہول ہو، اگرچہ اس کے باقی راوی عدالت کے ساتھ ممدوح ہوں؛ کیونکہ حدیث کا اعتبار اس کے سب سے کمزور راوی کے مطابق ہوتا ہے، جس طرح نتیجہ سب سے کمزور مقدمے کے تابع ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا، مگر یہ کہ کوئی مؤید اسے تقویت دے)۔ ختم ہوا۔[1]

یہ بات صاحبِ "نہایۃ الدرایۃ" کے کلام سے پوشیدہ نہیں ہے کہ (قوی) روایت، (ضعیف) کی قسم میں شمار نہیں ہوتی جس پر ان کے ہاں عموماً عمل نہیں کیا جاتا۔ یعنی "قوی" روایت، اُس سندِ ضعیف کے معنی میں نہیں ہے جس کی کمزوری (ضعف) کسی ایک راوی کی مذمت یا مجہول ہونے سے حاصل ہوتی ہے، ایسی کمزوری جو اس روایت کو ضعیف بنا دیتی ہے اور نقل میں اس پر اعتماد نہ کرنے کا تقاضا کرے۔

اور ابو الفضل حافظیان بابلی نے کہا: اور بعض فضلا (رحمت اللہ علیہ) نے کہا: اور جہاں تک "قوی" کا تعلق ہے، تو ان کے ہاں اس کا مفہوم اعم (وسیع) ہے: اس میں وہ سب شامل ہے جو مذکورہ تین اقسام سے باہر ہو اور ان کے ہاں اسے "ضعیف" میں شامل نہیں کیا جاتا)۔[2]

پھر اس نے "قوی" کے تقسیم پر بات کرتے ہوئے کہا: اور اس کے علاوہ مزید اقسام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی ساری سند امامی ہو، اور ان میں سے کسی ایک کے بارے میں نہ تو مدح کا ذکر ہو اور نہ ذم کا، ایسا کہا گیا ہے اور (قوی) کو اس بات سے قید کرنا چاہیے کہ ان میں سے کسی ایک میں کوئی دوسری چیز جیسے اجتہادی گمانات نہ پائی جائے، ورنہ یہ کبھی صحیح کے اقسام میں شامل ہوگا، کبھی حسن میں، اور کبھی ضعیف میں، اور اس کو تمام اقسام کے مقابلے میں رکھنا مناسب نہیں، اور جیسے تمام اقسام اس کا مقصد ہے)۔[3]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث (قوی) اس وقت کہلاتی ہے جب اس کے راویوں کی تعریف یا تنقید کو دوسرے امور اور قرائن سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر راویوں کی تعریف یا وثاقت پر کوئی مؤیدات اور

---

1 -نہایۃ الدرایۃ، حسین اصفہانی، ص 263 - 267.

2 -رسائل فی درایۃ الحدیث، ابو الفضل حافظیان، ج 2، ص 376.

3 -رسائل فی درایۃ الحدیث، ابو الفضل حافظیان، ج 2، ص 376 - 377.

قرائن موجود ہوں تو وہ حسن یا صحیح کے درجے میں آ جاتی ہے، اور اگر راویوں کی تنقید یا قدح پر کوئی قرائن اور مؤیدات ہوں تو وہ ضعیف کے درجے میں آ جاتی ہے۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، ہم وصیت کی حدیث کے سند کے بارے میں دو نکات اخذ کرتے ہیں:

1. چونکہ شیخ طوسی نے کئی روایات کے ساتھ تصریح کی ہے کہ یہ خاص راستوں سے مروی ہے، یعنی اس کے راوی شیعہ امامی ہیں، اور اگر ان میں کوئی ایک بھی غیر امامی راوی ہوتا تو وہ اسے خاص راستوں میں شامل نہ کرتے؛ کیونکہ سند کی خصوصیت کمزور ترین راوی کے مطابق ہوتی ہے، اور چونکہ شیخ علی نمازی نے بھی ان کے عقیدے کی حسن پر استدلال کیا ہے، اور اسی طرح مرزا نوری کا بھی یہ طریقہ ہے کہ وہ راوی کے تشیع کو اس کے مروی متن سے جانچتے ہیں، اسی طرح اس کی تائید میرزا نوری کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ وصیت کی سند (معتبر سند) ہے، تو یہ واضح ہے کہ وصیت کے راوی شیعہ امامی ہیں اور ان میں سے کسی کے بارے میں بھی کوئی الزام یا عیب نہیں آیا، لہٰذا وصیت کی حدیث کا سند کم از کم "قوی" قسم کا ہے اور اسے کبھی بھی "ضعیف" نہیں کہا جا سکتا، خاص طور پر اگلے نقطے کو مد نظر رکھتے ہوئے۔

یاد رہے کہ وصیت کی سند میں دس افراد ہیں جن میں سے نو واضح طور پر شیعہ ہیں:

ا. شیخ طوسی: تعارف سے بے نیاز۔

ب. احمد بن عبدون: موثق ہے اور اس کے شیعہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

ج. حسین بن عبید اللہ عضائری: موثق ہے اور اس کے شیعہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

د. البزوفری: موثق ہے اور جلیل القدر افراد میں سے ہے، اور اس کے شیعہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

ھ. علی بن سنان موصلی العدل: ایک روایت اس کے شیعہ ہونے اور عقیدہ کے حسن پر دلالت کرتی ہے، اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، شیخ طوسی کی گواہی بھی موجود ہے۔

و. علی بن حسین: موثق ہے، جلیل القدر افراد میں سے ہے اور اس کے شیعہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

ز. جعفر بن احمد مصری: شیعہ ہے، اور اہلِ سنت نے اسے اس کے تشیع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اور یہ حسین بن علی مصری کا بھتیجا ہے، جس کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ح. حسین بن علی مصری: موثق ہے اور شیعہ ہے۔

ط. علی، جو حسین کا والد ہے: اس کے شیعہ ہونے کا استفادہ اس کے بیٹے علی سے ہوتا ہے، جو امامت پر کتاب کا مصنف ہے اور اس کے دفاع کرنے والوں میں سے ہے، پس یہ ایک شیعہ خاندان ہے، وہ خود، اس کا باپ اور اس کا بھتیجا، جیسا کہ مخفی نہیں۔

وصیت کے راویوں میں سے صرف (احمد بن محمد بن خلیل) باقی رہ جاتے ہیں جن کے تشیع کا علم نہیں، لیکن اس کے شیعہ ہونے میں شک نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، شیخ طوسی کی گواہی موجود ہے، اور علی بن حسین بن بابویہ کا اس سے روایت کرنا اس پر اعتماد کی دلیل ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا، اور نیز شیخ علی نمازی نے اس کے ترجمہ میں کہا: (وہ شیخ کے طریق میں آیا ہے، علی بن موصلی کے واسطے سے، علی بن حسین سے، اس (احمد بن محمد بن خلیل) سے... یہاں تک کہ کہا: اور اس روایت میں ائمہ اثنا عشر (صلوات اللہ علیہم) کے متعلق نص موجود ہے، ان کے اسماء اور فضائل کے ساتھ، پس یہ اس کے حُسن اور کمال پر دلالت کرتی ہے) ختم ہوا.

اور اس کا ذکر ان کے ترجمہ پر گفتگو کرتے وقت آئے گا۔

2. اور جب (علی بن سنان موصلی، احمد بن محمد بن خلیل، جعفر بن احمد مصری، اور حسین بن علی مصری کے والد) کی امامی ہونا ثابت ہو چکا، اور ان میں سے کسی پر مطلقاً کوئی طعن وارد نہیں ہوا، تو اس کے ساتھ یہ بات بھی شامل کر لی جائے کہ جلیل القدر اور بڑے بڑے علمائے مذہب جیسے شیخ طوسی، بزوفری، اور ابن بابویہ نے ان پر اعتماد کیا ہے، تو اس سند کو قوی کی قسم سے نکال کر صحیح کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر جب ہم یہ بھی دیکھیں کہ میرزا نوری نے وصیت کی سند کو (معتبر) قرار دیا ہے، اور شیخ علی نمازی نے وصیت کی روایت اور اس کے راویوں کی مدح (تعریف) کی ہے، بلکہ شہید محمد محمد صادق صدر (رحمہ اللہ) نے بھی اپنی موسوعہ میں اس (حدیث وصیت) پر اعتماد کیا ہے، حالانکہ ان کی عادت تھی کہ اگر روایت ضعیف یا شاذ ہوتی یا اس جیسی کوئی بات ہوتی، تو اس پر نقد ضرور کرتے، بلکہ میں نے کسی کو بھی نہیں پایا کہ اس نے وصیت کے راویوں پر طعن کیا ہو، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو امام مہدیؑ کے بعد ان کی ذریّت کے وجود کے قائل نہیں، اور اگر اس کے راویوں پر طعن کا کوئی امکان ہوتا تو وہ لوگ کبھی بھی اس سے گریز نہ کرتے۔

اب ہم وصیت کی روایت کے راویوں کی تفصیلی توثیق کا جائزہ لیتے ہیں، اگرچہ ہم اس کے محتاج نہیں ہیں، لیکن یہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو فضول باتیں کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی فضیلت یا علم کا جھوٹا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے منہ میں وہ پتھر رکھ دیں جو ان کی ان زبانوں کو بند کر دے، جو ہمیشہ غلطی کی عادی ہو

چکی ہیں اور حق کو بھول چکی ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد اور راہِ راست کی توفیق چاہتے ہیں، بے شک وہ سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

رسول اللہؐ کی وفات کی شب علیؑ کو کی گئی وصیت کے راوی

شیخ طوسی نے (الغیبۃ) میں کہا:

"ہمیں ایک جماعت نے خبر دی، ابو عبد اللہ حسین بن علی بن سفیان بزوفری سے، علی بن سنان موصلی العدل سے، علی بن حسین سے، احمد بن محمد بن خلیل سے، جعفر بن احمد مصری سے، اپنے چچا حسن بن علی سے، اور انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد سے، اور انہوں نے اپنے والد ابو جعفر محمد باقر سے، اور انہوں نے اپنے والد سید العابدین علی بن حسین ذی الثفنات سے، اور انہوں نے اپنے والد حسین زکی شہید سے، اور انہوں نے اپنے والد امیر المؤمنین علیؑ سے، انہوں نے کہا: رسول اللہؐ نے اپنے شب وفات میں حضرت امیر المومنینؑ سے فرمایا: ابوالحسن میرے لیے کاغذ اور قلم لے کر آؤ. پھر رسول اللہ ؐ نے اپنی وصیت پڑھ کر سنادی۔ یہاں تک کہ اس مقام تک پہنچے، پھر فرمایا: یا علی، میرے بعد بارہ امام ہوں گے اور ان کے بعد بارہ مھدی ہوں گے، تم، یا علی، میں سے پہلے امام ہو گے، اللہ تعالی نے آپ کو اپنے آسمان میں ان ناموں سے پکارا ہے علی مرتضٰی، امیر المؤمنین، صدیق اکبر، فاروق اعظم، مامون اور مہدی. پس آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ نام درست نہیں ہیں. یا علی تم میرے اہل بیت اور ان کے مردہ وزندہ کے وصی ہو۔ اور تم میرے ازواج کے بھی وصی ہو. اگر ان میں سے جن کو میری زوجیت پر باقی رکھا، وہ مجھ سے قیامت میں ملاقات کریں گی اور جن کو تم نے طلاق دے دیں ان کا تعلق مجھ سے ختم ہو جائے گا اور وہ کبھی مجھ سے نہیں ملیں گی اور میں ان کو روز قیامت نہیں دیکھوں گا۔ اور تم میرے بعد میری امت پر خلیفہ (جانشین) ہو۔ جب تمہاری وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے حسن نیک اور بہت زیادہ قریب ہونے والا کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے حسین زکی مقتول کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے سید العابدین علی بن حسین ذی الثفنات (جو بدن پر عبادت کی وجہ سے نشان رکھتے ہوں) کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے محمد باقر کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے جعفر صادق کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے موسی کاظم کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے علی رضا کے

حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے محمد ثقہ تقی کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے علی ناصح (نصیحت کرنے والا) کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے حسن فاضل کے حوالے کرے، اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اِن (جانشینی) کو میرے بیٹے محمد مستحفظ من آل محمدؑ کے حوالے کرے۔ اور وہ بارہ امام ہوں گے، پھر ان کے بعد بارہ مھدی ہوں گے، (جب ان (بارویں امام) کی وفات کا وقت آیا) تو ان (جانشینی) کو اپنے بیٹے کے حوالے کرے جو پہلے مقربین میں سے ہوگا جس کے تین نام ہیں. اس کا پہلا نام میرا نام اور دوسرا نام میرے والد کا نام ہے اور وہ عبداللہ اور احمد ہے اور تیسرا نام المھدی ہے اور وہ پہلے مومنین میں سے ہے).[1]

الجماعۃ

وہ جماعت جو شیخ طوسی (رحمت اللہ علیہ) کی کتب بزوفری تک رسائی کا ذریعہ ہے، یہ دو افراد ہیں: حسین بن عبداللہ الغضائری اور احمد بن عبدون، اور دونوں ثقہ (قابل اعتماد) ہیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔

اور شیخ طوسی نے اپنے کتاب (الاستبصار) میں اس طریقے کو بزوفری تک ذکر کرتے ہوئے کہا: (اور جو کچھ میں نے ابو عبداللہ حسین بن سفیان البزوفری سے نقل کیا ہے، تو مجھے یہ احمد بن عبدون اور حسین بن عبیداللہ کے واسطے سے پہنچا ہے).[2]

احمد بن عبدالواحد، (ابن عبدون) کے نام سے مشہور

شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجال الطوسی، ص 413-414، نمبر 5988 میں ان کے بارے میں لکھا:

(احمد بن عبدون، جو ابن الحاشر کے نام سے مشہور ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ وہ کثیر السماع (اس نے بہت زیادہ روایات سنی ہیں) اور کثیر الروایہ (اس نے بے شمار روایات نقل کی ہیں) تھے، ہم نے ان سے احادیث سنی ہیں اور انہوں نے ہمیں اپنی تمام روایات (کو دوسروں تک پہنچانے) کی اجازت دی۔ (یعنی وہ شیخ طوسی کے استاد ہیں۔) وہ 423 ہجری میں وفات پاگئے) ختم ہوا.

---

[1] -الغیبۃ، شیخ طوسی، ص 150، ح 111 .

[2] -الاستبصار، شیخ طوسی، ج 4، ص 342.

نجاشی نے رجال النجاشی، ص 87، نمبر 211 میں لکھا:

(احمد بن عبد الواحد: بن احمد البزاز، ابو عبداللہ، ہمارے شیخ (استاد)، جو ابن عبدون کے نام سے معروف ہیں۔ ان کی کئی کتب ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: 1. کتاب اخبار السید بن محمد؛ 2. کتاب التاریخ؛ 3. کتاب تفسیر خطبۂ فاطمہ حرکات کیساتھ؛ 4. کتاب عمل الجمعہ؛ 5. کتاب الحدیثین المختلفین، انہوں نے ہمیں اس کے باقی حصوں کی اطلاع دی۔ وہ ادب میں مہارت رکھتے تھے اور اس نے ادبی کتابیں اساتذہ کو پڑھ کر سنی تھیں. انہوں نے ابوالحسن علی بن محمد القرشی، جو ابن الزبیر کے نام سے معروف ہیں، سے ملاقات کی، اور وہ اپنے وقت کے جلیل القدر افراد میں سے تھے۔) ختم ہوا.

حر عاملی ، امل الآمل، جلد 2، صفحہ 16-17:

(احمد بن عبد الواحد بن احمد البزاز، ابو عبداللہ: ہمارے شیخ (استاد)، جو ابن عبدون کے نام سے معروف ہیں۔ ان کی کئی کتب ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: 1. کتاب اخبار السید بن محمد؛ 2. کتاب التاریخ؛ 3. کتاب تفسیر خطبۂ فاطمہ حرکات کیساتھ؛ 4. کتاب عمل الجمعہ؛ 5. کتاب الحدیثین المختلفین، انہوں نے ہمیں اس کے باقی حصوں کی اطلاع دی. وہ ادب میں مہارت رکھتے تھے اور اس نے ادبی کتابیں اساتذہ کو پڑھ کر سنی تھیں۔ انہوں نے ابوالحسن علی بن محمد بن الزبیر سے ملاقات کی، اور وہ اپنے وقت کے جلیل القدر افراد میں سے تھے۔ یہ بات نجاشی نے کہی ہے۔

شیخ نے کہا: احمد بن عبدون، جو ابن الحاشر کے نام سے معروف ہیں، اور جن کی کنیت "ابو عبداللہ" ہے، کثرت سے روایت سننے اور نقل کرنے والے تھے. ہم نے خود ان سے احادیث سنی ہیں، اور انہوں نے ہمیں ان تمام احادیث کی اجازت عطا کی ہے جنہیں انہوں نے روایت کیا ہے. ان کا انتقال سنہ 423 ہجری میں ہوا. اور ان کی توثیق اس بات سے حاصل ہوتی ہے کہ علّامہ نے شیخ (طوسی) کی سندوں کی تصحیح کرتے وقت اُن کے طریق (سند کے سلسلے) کو صحیح قرار دیا ہے۔ ختم ہوا.

"مستدرکات علم رجال الحدیث" شیخ علی النمازی شاہرودی، جلد 1، صفحات 359 – 360، نمبر 1157 میں کہا گیا:

(احمد بن عبد الواحد بن احمد البزاز، ابو عبد اللہ، جو ابن عبدون کے نام سے معروف ہے: اس کی کچھ کتابیں ہیں، اجازت دینے والے مشایخ میں شمار ہوتا ہے، مجلسی نے الوجیزہ میں کہا: ممدوح (قابلِ تعریف) ہے اور اس کی حدیث کو صحیح شمار کیا جاتا ہے...) ختم ہوا.

معجم رجال الحدیث، سید خوئی، جلد 2، صفحہ 152، شمارہ 655 میں کہا گیا:

(احمد بن عبد الواحد: یعنی احمد بن عبدون ... اور وہ ثقہ ہے؛ کیونکہ وہ نجاشی کے مشائخ (اساتذہ) میں سے ہے، اور نجاشی نے مختلف مقامات پر اُس سے روایت کی ہے، ان میں سے ایک: ابان بن تغلب کی سوانح میں ہے...) ختم ہوا.

پھر [احمد بن عبدون] ایک ثقہ اور قابلِ اعتماد شخصیت ہیں، جو بڑے علماء کے شیخ (استاد) تھے، اور صاحبِ کتب و تصانیف تھے۔

الحسین بن عبید اللہ الغضائری:

رجال النجاشی، صفحہ 68 – 69، نمبر 166، میں کہا گیا:

(حسین بن عبید اللہ بن ابراہیم: غضائری، ابو عبداللہ، ہمارے شیخ (رحمہ اللہ) تھے۔ ان کی چند کتابیں یہ ہیں: کتاب کشف التمویہ والغمہ، کتاب التسلیم علی إمیر المؤمنین ؑ بإمرۃ المؤمنین، کتاب تذکیر العاقل وتنبیہ الغافل فی فضل العلم، کتاب عدد الائمۃ وما شذ علی المصنّفین من ذلک، کتاب البیان عن حبوۃ الرحمٰن، کتاب النوادر فی الفقہ، کتاب مناسک الحج، کتاب مختصر مناسک الحج، کتاب یوم الغدیر، کتاب الرد علی الغلاۃ والمفوضۃ، کتاب سجدۃ الشکر، کتاب مواطن إمیر المؤمنینؑ، کتاب فی فضل بغداد، کتاب فی قول إمیر المؤمنینؑ: "ألا أخبركم بخير هذه الأمة" (کیا میں تمھیں اس امت کے سب سے بہترین فرد کے بارے میں نہ بتاؤں؟)

اس نے ہمیں اپنے تمام کتابوں اور اپنے تمام مشائخ (اساتذہ) سے روایت کردہ تمام احادیث کی اجازت دی، اور وہ (رحمۃ اللہ علیہ) ماہِ صفر کی پندرہ تاریخ، سن 411 ہجری میں وفات پا گئے) ختم ہوا.

رجال الطوسی، صفحہ 425، نمبر 6117 میں کہا گیا ہے:

(حسین بن عبید اللہ غضائری، کنیت ابو عبداللہ، بہت زیادہ احادیث سننے والا، علم رجال کے ماہر تھے، اور ان کی کئی تصنیفات ہیں جنھیں ہم نے اپنی کتاب "فہرست" میں ذکر کیا ہے۔ ہم نے ان سے (حدیث) سنا، اور انہوں نے ہمیں اپنی تمام روایات کی اجازت دی۔ وہ سن 411 ہجری میں وفات پا گئے) ختم ہوا.

معجم رجال الحدیث، سید خوئی، جلد 7، صفحات 22–23، شمارہ 3490 میں کہا گیا:

(حسین بن عبید اللہ بن ابراہیم: .... میں کہتا ہوں: ... اور بہرحال، اس شخص کی وثاقت میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ابن طاؤوس اور بعض متأخر علما کی طرف سے اس کی توثیق کی وجہ سے، اور نہ ہی اس لیے کہ

وہ بہت زیادہ روایت کرنے والا یا شیخِ اجازہ ہے، کیونکہ جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے، ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ اس بنا پر کہ وہ نجاشی کا شیخ (استاد) ہے، اور نجاشی کے تمام اساتذہ ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے...)۔ ختم ہوا.

لہٰذا [حسین بن عبید اللہ غضائری] ثقہ (قابلِ اعتماد) ہے، مشہور و معروف بڑے علما کا استاد ہے، اور کتابوں و تصنیفات کا مالک ہے۔

ابو عبداللہ حسین بن علی بن سفیان بزوفری:

رجال النجاشی، صفحہ 67 – 68، نمبر 162:

(حسین بن علی بن سفیان بن خالد بن سفیان، کنیت: ابو عبد اللہ البزوفری، استاد، ثقہ، اور ہمارے اصحاب میں جلیل القدر شخصیت تھے . ان کی کچھ کتابیں ہیں: کتاب الحج، کتاب ثواب الأعمال، کتاب إحکام العبید (یہ کتاب میں نے اپنے استاد ابو عبداللہ (رحمہ اللہ) کو سنایا ہے)، کتاب الرد علی الواقفۃ، کتاب سیرت النبی والأئمہؑ فی المشرکین۔ ان کی تمام کتابوں کی ہمیں خبر احمد بن عبد الواحد ابو عبد اللہ بزاز کے ذریعے پہنچی)۔ ختم ہوا.

شیخ طوسی نے اپنی کتاب "الرجال" صفحہ 423، نمبر 6092 میں کہا ہے:

(حسین بن علی بن سفیان بزوفری، خاصّی (یعنی امامیہ شیعہ) تھے، جن کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ ان کی کتابیں ہیں جن کا ہم نے "الفہرست" میں ذکر کیا ہے۔ تلعکبری نے ان سے روایت کی ہے، اور ہمارے پاس ان کے بارے میں جماعت نے خبر دی ہے، جن میں محمد بن محمد بن نعمان، حسین بن عبید اللہ، اور احمد بن عبدون شامل ہیں). ختم ہوا.

علامہ حلی نے "خلاصۃ الأقوال" صفحہ 115 پر اس کی توثیق کی ہے، یوں فرماتے ہیں:

(حسین بن علی بن سفیان بن خالد بن سفیان، ابو عبداللہ بزوفری، استاد، ثقہ (قابل اعتماد)، ہمارے اصحاب میں سے جلیل القدر اور خاص (امامیہ شیعہ) تھے) ختم ہوا.

سید محمد صدر نے موسوعہ میں شیخ طوسی کی کتاب الغیبۃ سے نقل کیا ہے کہ بزوفری امام مہدیؑ کے وکلا میں سے ایک تھے۔ انہوں نے کہا: (حسین بن علی بن سفیان بن خالد بن سفیان، کنیت ابو عبداللہ بزوفری، ہمارے اصحاب میں سے ایک جلیل القدر شیخ (استاد) ہیں، ان کی کتب ہیں۔ شیخ طوسی نے "الغیبۃ" میں بعض علویوں میں سے ایک سے روایت نقل کی ہے، جس کا نام اس نے ذکر کیا، اس نے کہا: میں شہر قم میں تھا تو ہمارے بھائیوں کے درمیان ایک شخص کے بارے میں گفتگو ہوئی جس نے اپنے بیٹے کا انکار کیا۔ انہوں نے شیخ (خدا

اسے محفوظ رکھے) کے پاس ایک خط بھیجا، اور میں ان کے پاس موجود تھا (خدا اسے تائید دے)۔ انہوں نے خط کو نہیں پڑھا، اور اسے ابو عبد اللہ بزوفری (خدا اسے عزت دے) کے پاس بھیجنے کا حکم دیا تاکہ وہ اس خط کا جواب دے۔ وہ اس کے پاس گیا اور میں وہاں موجود تھا۔ ابو عبد اللہ نے کہا: بچہ اسی کا ہے، اور اس نے فلاں دن، فلاں جگہ پر اس عورت سے مباشرت کی تھی، پس اس سے کہو کہ بچے کا نام محمد رکھے۔ قاصد واپس آیا اور ان کو مطلع کیا، اور ان کے لیے بات واضح ہو گئی۔ بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام محمد رکھا گیا). ہم اس روایت کا مفہوم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ روایت واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بزوفری نے یہ معلومات امام مہدیؑ سے، اگرچہ واسطے سے، حاصل کیں۔ لہٰذا یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی حد تک وکیل تھے۔ اسی وجہ سے علامہ مجلسی نے بحار میں اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بزوفری سفراء میں سے تھے، اگرچہ یہ نقل نہیں ہوا...).[1]

پھر [حسین بن علی بن سفیان البزوفری] ثقہ، جلیل القدر، خاصّی (امامیہ شیعہ)، قابل اعتماد شخص تھے، ان پر کبھی کوئی طعن نہیں کیا گیا، اور وہ کتب و تصنیفات کے صاحب تھے۔

علی بن سنان موصلی العدل:

شیخ علی النمازی شاہرودی نے اپنی کتاب مستدرکات علم رجال الحدیث میں، نمبر 10071 کے تحت کہا:

(علی بن سنان موصلی ابو الحسن المعدل: اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ صدوق نے کتاب الاکمال جلد 2 صفحہ 152 پر احمد بن حسین بن عبد اللہ کے واسطے، وہ حسین بن زید بن عبد اللہ بغدادی سے، وہ علی بن سنان سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہا: جب ہمارے آقا ابو محمد حسن عسکریؑ کا انتقال ہوا... آخر تک.

اور مجلسی نے بحار الانوار میں اس حدیث کو احمد بن الحسین بن عبد اللہ سے، زید بن عبد اللہ بغدادی کے واسطے سے، اُن (علی بن سنان) سے، اور اُن کے والد سے... آخر تک، روایت کے طور پر نقل کیا گیا ہے.[2]

---

[1] - الغیبۃ الصغری، ص524.

[2] - "کمبا"، ج 13، ص 116،"وجد"، ج 52، ص 47.

احمد بن محمد بن عیاش کا کتاب، مقتضب الاثر، صفحہ 10، میں ان سے، احمد بن محمد خلیلی کے واسطے ایک شریف روایت نقل کی گئی ہے جو ان کے (حُسن) نیک سیرت اور کمال کو ظاہر کرتی ہے، اور کمبا (کمال الدین) ج 9، ص 125 اور اس کی دوسری اہم روایت اسی سلسلے میں ص 135، وجد ج 36 ص 216 و 260.

غط (الغیبہ) صفحہ 103 پر: شیخ طوسی نے اپنی سند سے حسین بن علی سے، اس (علی بن سنان) سے، احمد بن محمد بن خلیل سے۔ اور صفحہ 104 پر: حسین بن علی بن سفیان بزوفری سے، اس (علی بن سنسن موصلی عدل) سے، اس (احمد بن محمد بن خلیل) سے۔ اور "قرب الاِسناد" صفحہ 123 پر: اس سے، مالک بن اشیم سے) ختم ہوا)[1] نمازی کا کلام ختم ہوا.

میں کہتا ہوں: اس بات کے علاوہ کہ یہ شخص شیعہ ہے، پھر وہ ثقہ جلیل القدر بزوفری کے نزدیک موردِ اعتماد ہے، اور یہ اس کی وثاقت پر ایک اور تائید ہے۔ اس سب کے علاوہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اسے (عدل)[2] کے وصف سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ صفت اُن افراد کے لیے استعمال ہوتی تھی جو عدالت، وثاقت،

---

[1] مستدرکات علم رجال الحدیث، شیخ علی النمازی شاہرودی، ج 5، ص 382 – 383.

[2] مجھے بتایا گیا ہے کہ بعض آخری زمانے کے فقہاء کے پیروکار کہتے ہیں کہ (عدل) کی صفت عامّہ (سنّی) قاضیوں کے لیے استعمال ہوتی تھی، لہٰذا یہ مدح (تعریف) پر دلالت نہیں کرتی!

میں کہتا ہوں: یہ بات عجیب ہے! اس قول کو صرف اس صورت میں قبول کیا جا سکتا تھا اگر علی بن سنان سنّی ہوتا، لیکن یہ بات تو ہم پیچھے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ شیعہ ہے اور عامّہ میں سے نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد ان کا یہ کہنا اُس قاعدے کے مطابق ہو جاتا ہے جسے "سالبہ بانتفاء الموضوع" (کسی بات کا انکار (نفی) اس وجہ سے کرنا کہ اس کا موضوع ہی موجود نہیں) کہا جاتا ہے، یا یہ "مصادرہ علی المطلوب" (یعنی جس بات کو ثابت کرنا ہے، اسی کو مقدمہ بنا لینا) کے قبیل سے ہے۔

پس وہ پہلے یہ ثابت کریں کہ علی بن سنان عامّہ (اہل سنت) میں سے ہے... پھر صفت (عدل) کی ایسی تفسیر کریں جو عامّہ کے عرف کے مطابق ہو۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات محقق خوئی کا قول ہے، جہاں اُس نے اس وصف [عدل] کو دوسری معنی کی طرف موڑنے کی کوشش کی، یہ کہہ کر کہ یہ لقب قضاء اور حکومتی امور کے کاتبین (لکھنے والوں) کے لیے استعمال ہوتا تھا، جیسے [کاتب العدل] (عدالتی فیصلے لکھنے والے افراد) ان کا یہ کلام دیکھیں: معجم رجال الحدیث، ج 1، ص 210۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ایک محقق عالم کی طرف سے بہت ہی عجیب ہے، کیونکہ [کاتب العدل] یہ دو لفظ مضاف اور مضاف الیہ ہے (ہمیشہ اضافے کے ساتھ بولا جاتا ہے)، جبکہ ہماری بات [العدل] (بغیر اضافے کے) لفظ کے بارے میں ہے، اور دونوں حالتوں کے درمیان فرق پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم نے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب وہ [کاتب العدل] کو بیان کرنا چاہے تو کہے: [یہ العدل ہے]، بلکہ ضروری ہے کہ کہے: [یہ کاتب العدل ہے] بلکہ ظاہر یہی ہے کہ عدالتی فیصلے لکھنے والے افراد کو [العدل] کی طرف مضاف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان کو عدالتی احکام اور عدل لکھنے والے سمجھتے ہیں... وغیرہ۔ پھر محقق خوئی نے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ معاملے کو الٹا کر دیا۔

اور تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ خوئی کا یہ گمان ہے کہ لفظ [العدل] صرف ایک لقب ہے، اور اس نے اس کے لیے [الحافظ] اور [المقرئ] جیسے الفاظ کی مثال دی، یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ یہ محض القاب ہیں! اس کی بات ملاحظہ کریں: معجم رجال الحدیث، ج 2، ص 93.

جبکہ اصل بات یہ ہے کہ [الحافظ] اور [المقرئ] کی بنیاد احادیث کے حفظ اور قرآن کی قراءت کی نسبت پر ہے، خاص طور پر اسناد، رجال اور اس جیسے موضوعات کے دائرے میں اور اب میں [الحافظ] اور [المقرئ] کا مطلب سمعانی کی کتاب الأنساب سے نقل کرتا ہوں:

(الحافظ: حاء کے زبر اور فاء کے زیر کے ساتھ، آخر میں معجمہ ظاء کے ساتھ۔ یہ ان محدثین کا لقب ہے جو حدیث کو حفظ کرنے، پہچاننے اور اس کا دفاع کرنے میں مشہور ہوں...) الأنساب، ج 2، ص 154.

(المقرئ: یہ نسبت قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم دینے سے ہے، یہ نسبت محدثین کے ایک گروہ کے ساتھ خاص ہے...) الأنساب، ج 5، ص 367.

تو، یہ کلمات صرف القاب نہیں ہیں، بلکہ یہ القاب ان لوگوں کی خصوصیات اور صفات سے نکل کر آئیں ہیں، جو حفظ اور تلاوت سے متصف تھے... وغیرہ۔ یہی سب سے زیادہ رائج اور عمومی بات ہے، خصوصاً علم، حدیث، قرآن اور اس جیسے موضوعات میں۔ کتنی ہی صفات یا خصلتیں ایسی ہیں جو اپنے حامل کے لیے لقب بن گئی ہیں۔

اگر کچھ افراد ایسے بھی پائے جائیں جنہیں محض لقب کے طور پر [العدل، الحافظ، المقرئ] کہا گیا ہو، تو بھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان الفاظ کے اصل معانی کو چھوڑ کر انہیں صرف اسی معنی میں مخصوص کر دیا جائے۔

پھر ہمارے موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ [علی بن سنان الموصلی العدل] میں اس کا لقب [الموصلی] کے طور پر ذکر ہوا ہے، تو یہ بعید ہے کہ [العدل] بھی اس کا ایک اور لقب ہو۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے، ہم اس سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ بعض مصادر میں اسے یوں ذکر کیا گیا ہے: [... المعدَّل]، یعنی تزکیہ یافتہ (مطلب ثقہ، معتبر شخص)۔

اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ محقق خوئی لفظ [العدل] کو مدح اور توثیق کے معنی سے پھیرنے (موڑنے) میں کامیاب نہیں ہوئے، اور نہ ہی وہ نقض کی مثالوں کے انتخاب میں کامیاب رہے۔ پھر ان کا تجزیہ بے اثر اور ان کا اعتراض رد شدہ ہے۔

رہی یہ بات کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ لفظ (العدل) توثیق کے الفاظ میں سے نہیں ہے. تو یہ بہت بڑی جہالت کو ظاہر کرتا ہے! کیونکہ جسے علمِ درایہ کا معمولی سا بھی علم ہو، وہ خوب جانتا ہے کہ توثیق کے سب سے مضبوط الفاظ میں سے ایک قول یہ ہے: (فلاں عدل ہے).

اور کتاب (الرعایۃ فی علم الدرایۃ) شہید ثانی کی، ص 203 میں آیا ہے: (تعدیل کے الفاظ کے بارے میں: اس میں کئی حصے ہیں کی. پہلی حصہ: وہ الفاظ ہیں جو صریح تعدیل (ثقہ ہونے) پر دلالت رکھتے ہیں، اور وہ یہ ہیں: الف- معدّل کا کہنا: وہ عدل ہے یا وہ ثقہ ہے...)

اور حرّ عاملی نے کہا: (شہید ثانی نے کہا: تعدیل کے الفاظ یہ ہیں: عدل، ثقہ، حجت، صحیح الحدیث اور جو ان کے ہم معنی ہوں). وسائل الشیعۃ (آل البیت) ج 30 ص 288.

اور جہاں تک ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ لفظ کسی شخص کے عنوان میں آئے تو یہ اس کی مدح یا تعدیل پر دلالت نہیں کرتا، تو یہ قول بھی باطل ہے اور محض بے بنیاد زبردستی ہے اور یہاں کچھ مثالیں ہیں جن سے علماء نے مدح یا تعدیل کو سمجھا ہے:

الف: سید علی بروجردی نے اپنی کتاب طرائف المقال میں (الحسین بن محمد الأشنائی الرازی ابو عبد اللہ العدل کے ترجمے میں کہا:

(الحسین بن محمد الأشنائی الرازی ابو عبد اللہ العدل، اسے اسی طرح "ق" - یعنی شیخ صدوق نے- کتاب عیون کی بعض اسانید میں وصف کیا ہے، اور میں نے اسی طرح اسے (کتاب) التوحید اور "تعق" والتوحید میں بھی پایا اور شاید ان کی مراد اس مقام پر "العدل" سے یہ ہو کہ وہ ایک امامی اور صحیح العقیدہ شخص تھا، اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے معروف و متعارف معنی مراد لیے ہیں۔ پس غور کرو)۔ طرائف المقال، ج 1، ص 169، نمبر 883.

اور (العدل) کا معروف و متعارف معنی یہ ہے کہ وہ روایت میں ثقہ ہو، ساتھ ہی شیعہ اثنا عشری بھی ہو، یا پھر فقہی معنی میں عادل ہو، اور یہ بھی دراصل توثیق کو ہی لازم کرتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

شیخ مفید نے کہا: (اور عادل وہ ہے جو دین داری اور اللہ عز و جل کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کے ساتھ معروف ہو) المقنعة، ص 725.

اور بروجردی نے ص 300، نمبر 2113 پر بھی کہا: (الحسین بن محمد الأشنائی الرازی ابو عبد اللہ العدل، جیسا کہ ابن بابویہ الصدوق نے اسے عیون اخبار الرضا ؑ میں (العدل کیساتھ) وصف کیا ہے، اور اس (ابن بابویہ) جیسے کی تزکیہ (توثیق) کافی ہے).

اور یہ بات مخفی نہیں کہ سید بروجردی نے شیخ صدوق کی طرف سے حسین بن محمد الاشنائی کو (العدل) کہنے کو اس کی تزکیہ (توثیق) شمار کیا، بلکہ اسی پر اکتفا بھی کیا (بلکہ اسی کو کافی سمجھا).

ب۔ شیخ علی النمازی الشاہرودی نے اپنی کتاب مستدرکات، ج 1، ص 448، نمبر 1591 میں (احمد بن محمد الصائغ العدل) کے ترجمے میں کہا:

(اسے علماء رجال نے ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہ شیخ صدوق کے مشایخ (اساتذہ) میں سے ہے، اور اہلِ ری کا شیخ تھا... اور صدوق نے اپنی امالی میں اس (احمد بن محمد الصائغ العدل) سے، عیسیٰ بن محمد علوی کے واسطے سے، حذیفہ بن اسید غفاری کی وہ حدیث روایت کی ہے جو رسول اللہ ؐ سے امیر المؤمنین ؑ کے عظیم و اہم فضائل اور ان کی مخالفت و مخالفین کی مذمت کے بارے میں ہے، اور یہ حدیث اس کی حُسن (نیکی)، کمال اور سلامت عقیدہ پر دلالت کرتی ہے، اور اس کی دیگر روایات بھی، جیسا کہ امالی کے مجلس 32 میں ہے، اس کی نیکی اور کمال کو ظاہر کرتی ہیں ...)

پھر یہ صائغ (العدل) کے وصف سے متصف ہے، اور شاہرودی نے اس کے شیعہ ہونے کو اس کی روایات کے ذریعے سمجھا۔

اور اسی طرح اس (صائغ) کا ذکر ابو المعالی محمد بن محمد ابراہیم کلباسی کے ایک کلام کے ضمن میں بھی آیا ہے، جو الفاظِ توثیق کے بارے میں تھا کہ کیا یہ الفاظ صرف وثاقت پر دلالت کرتے ہیں یا ضبط و حفظ پر بھی لازماً دلالت کرتے ہیں...

(... اور اس پر ان کا عمل بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر توثیق کا لفظ "ثقة" کے علاوہ کچھ اور ہو، جیسے "عدل" جیسا کہ معاویہ بن حکیم کے ترجمے میں ہے یا "العدل" جیسا کہ احمد بن محمد الصائغ کے ترجمے میں ہے، تو بھی وہ خبر کی صحت پر حکم لگاتے ہیں۔ اور نجاشی نے عبید اللہ بن زیاد کے ترجمے میں کہا: "اور ابو القاسم بن سہل واسطی العدل تھا" ختم ہوا) الرسائل الرجالية، ج 1، ص 46.

یہ کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ (العدل) تزکیہ پر دلالت کرتا ہے، چاہے وہ کسی کے نام کے عنوان میں ہی کیوں نہ آیا ہو، جیسے علی بن سنان موصلی العدل کے معاملے میں۔

ج۔ احمد بن حسن قطان کو شیخ صدوق نے ذکر کیا، اس کے لیے رضامندی اور رحمت کی دعا کرتے ہوئے، اور اسے (العدل) کے وصف سے یاد کیا، اس طرح فرماتے ہوئے:

(895 / 6 —اور ہمیں یہ حدیث ایک اہلِ حدیث شیخ نے بیان کی، جسے احمد بن حسن قطان کہا جاتا ہے، جو ابو علی بن عبد ربہ العدل کے نام سے معروف ہے، اس نے کہا: ہمیں ابو العباس احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے حدیث بیان کی، اس نے کہا: ہمیں بکر بن عبد اللہ بن حبیب نے حدیث بیان کی، اس نے کہا: ہمیں محمد بن اسحاق کوفی جعفی نے حدیث بیان کی، اس نے کہا: ہمیں ابراہیم بن عبد اللہ سجزی ابو اسحاق نے، اس نے یحییٰ بن حسین مشہدی سے، اور اس نے ابو ہارون عبدی سے، اور اس نے ربیعہ سعدی سے روایت کی، اس نے کہا: میں نے ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں پوچھا: (والنجم إذا هوى) (قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہو)، تو انہوں نے کہا: یہ وہی ستارہ ہے جو فجر کے وقت گرا اور علی بن ابی طالب کے حجرے میں جا گرا، اور ابو العباس چاہتا تھا کہ وہ ستارہ اس کے گھر میں گرتا تاکہ وہ وصایت،

خلافت اور امامت حاصل کرلیتا، لیکن اللہ نے انکار کیا کہ یہ مرتبہ (مقام) علی بن ابی طالب ؑ کے سوا کسی اور کو دیا جائے، اور یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔ الأمالی للشیخ الصدوق، ص 660 – 661.

شیخ علی نمازی شاہرودی نے اس بات سے استفادہ کیا کہ وہ شیعہ امامی ہیں:

(احمد بن الحسن بن عبد ربہ القطان ابو علی رازی اور ابو سعید: شیخ صدوق کے اساتذہ میں سے ہیں... ان کے بارے میں کہا گیا: وہ حدیث کے بڑے شیخ (استاد) تھے... اور الأمالی، مجلس 83 ص 338 میں انہیں عدل کے لقب سے یاد کیا گیا اور یہ کہ وہ اہل حدیث کے شیخ (استاد) تھے... ان کی چند روایات الخصال میں پائی جاتی ہیں: ج 2 باب الاثنی عشری ص 466 - 472، اور کمال الدین ج 1 باب 24 ص 272، اور فضائل الأشہر الثلاثۃ کتاب میں ص 137 - 139۔ ان کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ امامی تھے اور مجھے اس بات کا کوئی امکان نہیں ملا کہ انہیں عامی (اہل سنت) سمجھا جائے، شیخ صدوق نے کمال الدین میں زیدیہ کے رد میں ص 27 پر ذکر کیا ہے کہ ائمہ ؑ بارہ ہیں)۔ مستدرکات علم رجال الحدیث ج 1 ص 287 نمبر 845.

د. اور شیخ طوسی کے ثقہ (قابل اعتماد) شاگردوں میں سے ایک، (آدم بن یونس بن ابی المہاجر نسفی) کو بھی (عدل) کے لقب سے وصف کیا گیا ہے:

شیخ علی نمازی شاہرودی نے اپنے "مستدرکات" میں کہا: (آدم بن یونس بن ابی المہاجر نسفی: شیخ (استاد)، فقیہ، ثقہ، عدل، شیخ طوسی کے شاگردوں میں سے ہیں)۔ مستدرکات علم رجال الحدیث ج 1 ص 81 نمبر 19.

ھ. المحسن بن الحسین:

محقق خوئی نے اس کی ترجمہ نقل کرتے ہوئے کہا: (المحسن بن الحسین، شیخ منتجب الدین نے اپنی فہرست میں کہا: شیخ العدل المحسن بن الحسین ابن احمد النیسابوری الخزاعی، شیخ مفید عبد الرحمٰن النیسابوری کے چچا، اللہ دونوں کو رحمت کریں، ثقہ (قابل اعتماد)، حافظ، واعظ، اور اس کی کتابیں: الأمالی فی الأحادیث، کتاب السیر، کتاب إعجاز القرآن، کتاب بیان من کنت مولاہ ہیں۔ یہ کتابیں ہمارے شیخ (استاد) سعاد تمند امام، جمال الدین ابو الفتوح الخزاعی نے اپنے والد سے، پھر اپنے والد سے، پھر اپنے دادا سے، اور وہ اس (المحسن بن الحسین) سے نقل کرتے ہیں، اللہ تعالی ان سب پر رحم کرے). معجم رجال الحدیث ج 15 ص 203 - 204 نمبر 9912.

اسے (العدل) کے لقب سے یاد (توصیف) کیا گیا ہے جو اس کی تعریف کی نشاندہی کرتا ہے، اور وہ شیعہ ہیں اور ایک معروف شیعی علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات سید محسن امین نے اعیان الشیعہ ج 1 ص 124 اور اس کے بعد میں ذکر کی ہے، جہاں (شیخ جمال الدین ابو الفتوح حسین بن علی ابن ابی سعید محمد بن ابی بکر... الخزاعی الرازی النیسابوری کا ذکر کیا گیا ہے).... پھر کہا گیا: (اور مجموعی طور پر یہ لوگ امامیہ کے معروف علماء کی ایک تسلسل ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس کئی اچھی کتابیں اور تصنیفات ہیں۔ اور الریاض میں محسن بن حسین بن احمد النیسابوری الخزاعی کی ترجمہ میں بھی آئے گا کہ وہ (الخزاعی)، شیخ مفید عبد الرحمٰن النیسابوری کے چچا ہیں، یعنی وہ شیخ ابو الفتوح کے چچا کے چچا ہیں...).

تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ لفظ (العدل) صرف اہل سنت کے لیے مخصوص ہے یا یہ سب کچھ بیان ہونے کے بعد یہ تزکیہ (توثیق) پر دلالت نہیں کرتا.

و: شیخ جلیل العدل ابو عبد اللہ جعفر بن محمد الدرویستی: اسی طرح ان کا ذکر سید بحر العلوم نے الفوائد الرجالیہ ص 139 پر کیا ہے۔

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ (العدل) کا استعمال امامیہ شیعوں کی تزکیہ (توثیق) میں ہوتا ہے، اور (الدرویستی) ایک معروف علمائی خاندان ہے، اور آپ کو وہ نقل ملے گا جو محقق خوئی نے ان کے بارے میں عبد اللہ بن جعفر بن محمد الدوریستی کی ترجمہ میں نقل کیا ہے: (عبد اللہ بن جعفر بن محمد الدوریستی: شیخ حر نے تذکرۃ المتبحرین میں کہا (ص 461): شیخ نجم الدین عبد اللہ بن جعفر بن محمد الدوریستی ایک عالم،

ورع (پرہیزگاری) اور استقامت کے لیے معروف ہوتے تھے اور اب وہ روایت ملاحظہ فرمائیں جس کی طرف نمازی شاہرودی نے اشارہ کیا ہے، اور جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علی بن سنان اور اُس کا والد ان شیعوں میں سے تھے جو امام مہدیؑ کی امامت پر ثابت قدم تھے، ایسے زمانے میں جب فتنوں، خواہشات اور سلطان کے خوف کی وجہ سے یہ بات نایاب ہو چکی تھی:

شیخ صدوق: ابو العباس احمد بن حسین بن عبد اللہ بن محمد بن مہران الآبی العروضی رضی اللہ عنہ نے مرو میں ہمیں حدیث سنائی، کہا: (ابو) الحسین زید (بن) عبد اللہ بغدادی نے ہمیں حدیث سنائی، کہا: ابو الحسن علی بن سنان موصلی نے ہمیں حدیث سنائی، کہا: میرے والد نے مجھے حدیث بیان کی، کہا: جب ہمارے سردار ابو محمد حسن بن علی عسکریؑ کا انتقال ہوا، قم اور جبال سے کچھ وفود (نمائندوں کے گروہ) ان اموال کے ساتھ آئے جو معمول اور عادت کے مطابق بھیجے جاتے تھے، اور ان کے پاس حسنؑ کی وفات کی خبر نہ تھی، جب وہ سرّ من رای (سامرا) پہنچے تو انہوں نے ہمارے سردار حسن بن علیؑ کے بارے میں پوچھا، تو انہیں بتایا گیا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، انہوں نے کہا: ان کے وارث کون ہیں؟ کہا گیا: ان کے بھائی جعفر بن علی، تو انہوں نے اس کے بارے میں پوچھا، انہیں بتایا گیا کہ وہ چھپ کر نکلا، دجلہ میں ایک کشتی پر سوار ہے، شراب پی رہا ہے اور اس کے ساتھ گانے والے ہیں، قوم نے مشورہ کیا اور کہا: یہ امام کی صفات نہیں، بعض نے بعض سے کہا: چلو ان اموال کو ان کے مالکوں کو واپس کر دیں، ابو العباس محمد بن جعفر حمیری قمی نے کہا: ٹھہرو، یہاں تک کہ یہ شخص (جعفر بن علی) واپس آئے اور ہم اس کے معاملے کو درست ہونے کے لحاظ سے جانچ لیں، جب وہ واپس آیا تو وہ (گروہ) اس کے پاس داخل ہوئے، اسے سلام کیا اور کہا: اے ہمارے سردار، ہم اہل قم میں سے ہیں، ہمارے ساتھ شیعوں اور دیگر کا ایک گروہ ہے، اور ہم یہ اموال اپنے سردار ابو محمد حسن بن علی کی خدمت میں لایا کرتے تھے، اس نے کہا: وہ (اموال) کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمارے پاس، اس نے کہا: انہیں میرے پاس لے آؤ،

فاضل، صدوق، جلیل القدر تھے، وہ اپنے دادا ابو جعفر محمد بن موسی بن جعفر سے، اپنے دادا ابو عبد اللہ جعفر بن محمد الدوریستی سے، مفید سے روایت کرتے تھے (ختم ہوا)۔ اور شیخ منتجب الدین نے اپنی فہرست میں کہا: شیخ نجم الدین عبد اللہ بن جعفر الدوریستی: فقیہ، صالح تھے، اور وہ اپنے آباواجداد سے شیعہ فقہاء مشائخِ (اساتذہ) دُورِیست سے روایت کرتے تھے)۔ معجم رجال الحدیث ج 11 ص 157 پر نمبر 6768.

ز. محمد بن عیسی بن عبید یقطینی: ثقہ، عدل، امام صادقؑ کے اصحاب میں سے ... اسی طرح سید محمد علی البطحی نے "تہذیب المقال فی تنقیح کتاب رجال النجاشی" ج 4، ص 443 میں ذکر کیا ہے۔

تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اس وصف (العدل) کو صرف عامہ (اہل سنت) کے لئے خاص کرتا ہے اور خاصہ (شیعہ) کے لئے نہیں، وہ جاہل ہے، اور یہ ثابت ہے کہ یہ تزکیہ (توثیق) کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور ہم اس پر اختصار کرتے ہیں... اور الحمد للہ۔

انہوں نے کہا: نہیں، ان اموال سے متعلق کوئی خاص بات یا نشان دہی ہے، اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اموال جمع کیے جاتے تھے اور ان میں عام شیعہ کی طرف سے ایک یا دو دینار ہوا کرتے تھے، پھر ان سب کو ایک تھیلی میں رکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی تھی۔ اور جب ہم یہ مال ہمارے آقا ابو محمدؑ کی خدمت میں پیش کرتے تھے، تو وہ فرماتے: کُل مال اتنے اتنے دینار ہے، فلاں کی طرف سے اتنے اور فلاں کی طرف سے اتنے، یہاں تک کہ تمام لوگوں کے نام لے لیتے اور فرماتے کہ مہروں پر کیا نقش ہے۔ جعفر نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، تم میرے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جو وہ نہیں کیا کرتے تھے، یہ علم غیب ہے اور اس کو صرف اللہ جانتا ہے۔ راوی کہتا ہے: جب لوگوں نے جعفر کی یہ بات سنی تو ان میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جعفر نے ان سے کہا: یہ مال میرے حوالے کرو۔ انہوں نے کہا: ہم کرایے پر رکھے گئے لوگ ہیں اور مال کے مالکوں کے وکیل ہیں، ہم یہ مال صرف انہی نشانیوں پر حوالے کرتے ہیں جو ہم اپنے آقا حسن بن علیؑ سے پہچانتے تھے۔ اگر آپ امام ہو تو ہمیں دلیل دو، ورنہ ہم یہ مال ان کے مالکوں کو واپس کر دیں گے، وہ جو چاہیں گے، اس میں تصرف کریں گے۔ جعفر خلیفہ کے پاس گیا، جو کہ "سرّ من رایٰ" (سامرا) میں تھا، اور ان کے خلاف شکایت کی۔ پھر جب انہیں (خلیفہ کے سامنے) حاضر کیا گیا تو خلیفہ نے کہا: یہ مال جعفر کے حوالے کر دو۔ انہوں نے کہا: اللہ امیر المؤمنین کی اصلاح فرمائے، ہم کرائے پر رکھے گئے لوگ ہیں اور ان اموال کے مالکوں کے وکیل ہیں، اور یہ مال جماعت کی امانت ہے، اور انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ مال کسی کو نہ دیں مگر کسی علامت اور نشانی کے ساتھ۔ اور یہ طریقہ ہمارے آقا ابو محمد حسن بن علی ؑ کے ساتھ جاری تھا۔ خلیفہ نے پوچھا: وہ کون سی علامت تھی جو ابو محمد کے پاس تھی؟ انہوں نے کہا: وہ ہمارے لیے دیناروں، ان کے مالکان اور مال کی مقدار کو بیان کرتے تھے، جب وہ یہ سب کچھ کرتے تو ہم انہیں مال دے دیتے۔ ہم ان کی خدمت میں کئی بار گئے، اور یہی ہمارا ان کے ساتھ علامت و نشانی کا طریقہ تھا۔ اب آپؑ وفات پا گئے ہیں، اگر یہ شخص (جعفر) اس منصب کا مالک ہے تو وہ ہمارے لیے وہی علامات و نشانیاں پیش کرے جو اس کے بھائی کیا کرتے تھے، ورنہ ہم یہ مال ان کے مالکوں کو واپس کر دیں گے۔ جعفر نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ لوگ جھوٹے ہیں، یہ میرے بھائی پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور یہ علمِ غیب ہے۔ خلیفہ نے کہا: یہ لوگ قاصد ہیں، اور قاصد کے ذمے تو بس واضح پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے۔ راوی کہتا ہے: جعفر حیران و خاموش ہو گیا، کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر ان لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین ہم پر احسان فرمائیں اور ہمارے لیے کسی کو مقرر کر دیں جو ہمیں شہر سے باہر لے جائے تاکہ ہم یہاں سے روانہ ہو سکیں۔ خلیفہ نے ان کے لیے ایک نقیب مقرر کیا، جس نے انہیں شہر سے باہر پہنچا دیا۔ جب وہ شہر سے باہر نکلے، تو ان کے سامنے ایک خوبصورت لڑکا آیا، جو سب سے

زیادہ خوبرو تھا، اور خادم معلوم ہوتا تھا۔ اس نے پکارا: اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں، اپنے مولا کی طرف آوٗ! انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے مولا ہو؟ اس نے کہا: معاذاللہ! میں تو تمہارے مولا کا خادم ہوں، اس کی طرف روانہ ہو جاوٗ۔ انہوں نے کہا: ہم اُس (خادم) کے ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ہم ہمارے مولا حسن بن علیؑ کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہاں ان کے فرزند، ہمارے سید، قائم ؑ ایک تخت پر اس حال میں تشریف فرماتھے گویا چاند کا ٹکڑا ہوں، ان کے بدن پر سبز لباس تھا۔ ہم نے ان پر سلام کیا، انہوں نے ہمارا سلام کا جواب دیا، پھر فرمایا: کُل مال اتنے اتنے دینار ہے، فلاں نے اتنا مال لایا ہے، فلاں نے اتنا۔ اور وہ مسلسل بیان کرتے رہے یہاں تک کہ تمام (اموال اور ان کے لانے والوں) کی تفصیل بیان کر دی۔ پھر انہوں نے ہمارے کپڑوں، ہمارے اسباب، اور ہمارے ساتھ جو جانور تھے، ان سب کی تفصیل بیان کی۔ تو ہم اللہ عزوجل کے شکر میں سجدے میں گرپڑے، جب ہم نے پہچان لیا (کہ وہی ہمارے امام ہیں) اور ہم نے ان کے سامنے زمین کو بوسہ دیا (زمین کو چوم کر ادب کیا) اور ہم نے ان سے وہ سب کچھ پوچھا جسے ہم جاننا چاہتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا۔ پھر ہم نے مال ان کی خدمت میں پیش کیا، اور قائم ؑ نے ہمیں حکم دیا کہ اس کے بعد "سرّ من رایٰ" (سامرا) کسی قسم کا مال نہ لے جایا جائے، کیونکہ وہ ہمارے لیے بغداد میں ایک شخص مقرر کیا جائے گا، جس کی طرف اموال پہنچائے جائیں گے اور ان کی طرف سے توقیعات (تحریری ہدایات) جاری ہوں گی۔ انہوں نے کہا: پھر ہم ان کی خدمت سے واپس روانہ ہوئے، اور انہوں نے ابوالعباس محمد بن جعفر القمی الحمیری کو کچھ کفن دفن کا سامان دیا، اور فرمایا: اللہ تمہیں تمہاری وفات پر اجر عظیم عطا فرمائے. راوی کہتا ہے: ابو العباس ابھی ہمدان کے عقبہ تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا، اللہ ان پر رحم کرے۔ اس کے بعد ہم اموال کو بغداد میں مقرر کردہ نائبین کے پاس لے جایا کرتے تھے، اور ان کی طرف سے توقیعات صادر ہوتی تھیں).[1]

اور علی بن سنان الموصلی کی وثاقت کی تائید، بلکہ اس پر تصریح، وہ ہے جو شیخ محمد باقر کَجوَرِی[2] نے اپنی کتاب الخصائص الفاطمیہ میں ذکر کیا، جہاں انہوں نے [علی بن سنان الموصلی] اور [احمد بن محمد الخلیل] کی روایت کی سند کی تصحیح کی، اور کہا:

---

[1] - کمال الدین وتمام النعمۃ، شیخ صدوق، صفحات 476 - 479.

[2] - سید محسن امین نے اس کی ترجمہ (سوانح حیات) کیا ہے، اپنی کتاب اِعیان الشیعۃ کے ج 3، ص 530 پر یوں کی ہے: (المولی باقر الواعظ ابن المولی إسماعیل الکجوری الطھرانی، جو 1313 ہجری میں مشہد مقدس رضوی میں زائر کے طور پر وفات پا گئے۔ وہ ایک عالم فاضل، واعظ اور

(.... اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انوار کو تمام مخلوقات پر منتخب کیا جیسا کہ صحیح اور مسند حدیث میں ابو سلمہ سے نقل کیا گیا ہے: انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جب مجھے آسمان کی طرف شب معراج لے جایا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: (آمن الرسول بماإنزل إليه من ربه) "رسول نے اس پر ایمان لایا جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا" تو میں نے کہا: (والمؤمنون كل آمن بالله) "اور تمام مومن اللہ پر ایمان لائے ہیں" پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم سچ بولے، اے محمد! تم نے اپنی امت میں کس کو چھوڑا؟" میں نے کہا: "خیر امت" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "علی بن ابی طالب؟" میں نے کہا: "ہاں" ... حدیث).[1]

وسند اس حدیث کا خاص (شیعہ) طرق سے یوں ہے:

المجلسی نے بحار الأنوار میں ذکر کیا: شیخ طوسی کی غیبتہ سے، جماعۃ نے تلعکبرِی سے، احمد بن علی رازی سے، حسین بن علی سے، علی بن سنان الموصلی سے، احمد بن محمد بن الخلیل [الخلیلی] سے، محمد بن صالح الہمدانی سے، سلمان بن احمد سے، ذبال بن مسلم اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے، سلام سے، سلام نے کہا: میں نے ابو سلمہ راعِی نبیؐ (جو نبیؐ کے جانور چرایا کرتا تھا) سے سنا کہ وہ کہتے تھے: میں نے رسول اللہؐ سے سنا، آپؐ نے فرمایا: (جب مجھے آسمان کی طرف معراج پر لے جایا گیا، تو عزیز و جلیل (اللہ) نے فرمایا: 'آمن الرسول بما إنزل إليه من ربه' 'رسول نے اس پر ایمان لایا جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا'، میں نے کہا: 'والمؤمنون' 'اور تمام مومن اللہ پر ایمان لائے ہیں'، پھر اللہ نے فرمایا: 'تم سچ بولے، اے محمد! تم نے اپنی امت

مؤلف تھے، جن کی کتابیں تھیں: 1. کتاب الأسرار فی کیفیۃ الاستغفار (فارسی) 2. الخصائص الفاطمیۃ 3. جبۃ النعیم فی إحوال السید عبد العظیم 4.. برہان التجارۃ فی تبیان الزیارۃ (فارسی میں ایک جامع زیارت کا شرح) 5.. برہان العباد فی إثبات المعاد 6. إراءۃ الطریق لمن یؤم البیت العتیق).

اس کے بھائی محمد سلطان المتکلمین نے اس کا ترجمہ یوں کیا: (... جو ان اعداد و شمار کا مؤلف ہے، اور اس کلام کا مصنف ہے؛ وہ انسانوں کے لیے واعظ اور احکام سے عبرت حاصل کرنے والا، اسلام کے مروج اور امام کے تأیید سے مؤید، شریعت کا خزانہ اور شیعہ کا فخر، مخلوق کا قبلہ اور حقیقت میں ان کا پیشوا، کریم مفسر، علم میں ماہر محدث، وسیع سمندر، ماہر خطیب، فخر و عظمت کی علامت، ہمارے مولانا حاج ملا محمد باقر الواعظ طہرانی، طہران میں پیدا ہونے والے، ان کا اصل مازندرانی کے، بزرگ عالم اور عظیم مجتہد مرحوم ملا محمد اسماعیل کے فرزند- اللہ ان کی روح کو خوش رکھے اور جنت ان کا مسکن بنائے- ان کی شریف عمر کے بارے میں: وہ 1255 ہجری میں پیدا ہوئے، اور 1313 ہجری کے ربیع الاول کی اکیسویں تاریخ کو جمعہ کے روز، فجر کے وقت، مرضِ استسقا سے مشہد رضوی میں انتقال کر گئے- اس کے رہنے والوں پر ہزار سلام اور درود...)

الخصائص الفاطمیہ: ج 1، ص 16.

[1] - الخصائص الفاطمیہ، باقر کجوری، ج 2، ص 498.

میں کس کو چھوڑا؟' میں نے کہا: 'خیر امت'، تو اللہ نے فرمایا: 'علی بن ابی طالب؟' میں نے کہا: ہاں، یا رب... حدیث).[1]

پس اس (کجوری) کی جانب سے سند کی صحت کی گواہی دینا اس بات کو لازم قرار دیتی ہے کہ [علی بن سنان الموصلی] اور [احمد بن محمد بن الخلیل] اس کے نزدیک ثقہ (قابل اعتماد) ہوں، کیونکہ یہ دونوں سند کا حصہ ہیں، اور اگر کسی سند میں ایک بھی راوی ضعیف ہو تو پوری سند کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے، چاہے باقی تمام راوی ائمہ اور ثقہ (قابلِ اعتماد) ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ اہلِ درایہ (علم رجال کے ماہرین) کے ہاں معروف ہے.

اور محمد علی اردبیلی نے اسے (علی بن سنان الموصلی) اپنی کتاب جامع الرواۃ، جلد 1، صفحہ 584 میں ذکر کیا ہے، اور اسی طرح سید علی بروجردی نے بھی اپنی کتاب طرائف المقال، جلد 1، صفحہ 245 میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لہٰذا، [علی بن سنان الموصلی] شیعہ، کامل اور حسن (نیک راوی) ہے؛ یعنی اس کی حدیث پر حجت قائم کی جا سکتی ہے، بلکہ وہ ثقہ ہے؛ جیسا کہ کنجوری (رحمہ اللہ) نے بیان کیا، اور وہ علامہ حلی اور بعض دیگر متقدّم علماء کے اصولوں کے مطابق قابلِ اعتماد ہے، کیونکہ اس کے بارے میں کبھی بھی کوئی مذمت نقل نہیں ہوئی۔

علی بن الحسین:

وہ علی بن الحسین بن موسی بن بابویہ قمی ہیں، جو شیخ صدوق (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے والد تھے۔ ان کا ذکر اکثر اوقات صرف (علی بن الحسین) کے طور پر کتبِ رجال اور احادیث [2] میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرف میرزا نوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے خاتمۃ المستدرک کے آخر میں توجہ دلائی، جہاں انہوں نے فرمایا: (احادیث اور رجال کی کتب میں شیخ صدوق کے والد کے لیے علی بن الحسین یا علی بن بابویہ کا تعبیر استعمال ہوتا ہے...).[3]

خاتمۃ المستدرک کی جلد سوم کے حاشیے میں ذکر کیا گیا ہے: (...ابن قولویہ جس کا ذکر ہوا ہے، وہ علی بن الحسین سے روایت کرتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ وہ ہمارے شیخ صدوق 'رحمہ اللہ' کے والد ہیں ...).[4]

---

[1] - بحار الانوار، مجلسی، ج 36، ص 260 – 262.

[2] - اور ان شاء اللہ کتاب کے آخر میں ضمیمہ میں اس پر مزید تحقیق آئے گی.

[3] - خاتمۃ المستدرک، میرزا نوری، ج 1، ص 316.

[4] - خاتمۃ المستدرک، میرزا نوری، ج 3، حاشیہ ص 141.

اور بزوفری، علی بن الحسین قمی، اور علی بن سنان موصلی سب ایک ہی طبقہ (تقریباً ہر 60 سال کو ایک "طبقہ" (نسلی یا زمانی دور) کہا جاتا ہے) سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی وہ امام مہدیؑ کی غیبت صغریٰ کے معاصرین میں سے ہیں؛ کیونکہ بزوفری حسین بن روح کے ہم عصر تھے، اور علی بن الحسین قمی ان افراد میں سے تھے جنہوں نے امام حسن عسکریؑ کا زمانہ درک کیا اور علی بن محمد سمری کی سفارت تک زندہ رہے، اور سنہ 329 ہجری قمری میں، یعنی "سنة تناثر النجوم" (ستاروں کے بکھرنے کا سال) میں وفات پائی۔ رہا علی بن سنان موصلی عدل، تو اس نے اپنے والد سے وہ واقعہ روایت کیا جو امام مہدی ؑ اور ان کے چچا جعفر کے ساتھ امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد پیش آیا۔

علی بن الحسین بن بابویہ قمی کو انتہائی وثاقت اور عدالت کے حامل سمجھا جاتا ہے، اور وہ امام مہدی ؑ کی غیبت صغریٰ کے دوران شیعہ علما میں سے سب سے بڑے علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس مقام پر میں نجاشی اور طوسی کی جانب سے ان کی ترجمہ (سوانح حیات) پیش کرتا ہوں:

نجاشی نے رجال النجاشی میں، صفحہ 261 - 262، نمبر 684 پر کہا:

(علی بن الحسین بن موسی: ابن بابویہ قمی ابو الحسن، اپنے زمانے کے قمیوں (اهل قم) کے شیخ، ان کے پیشرو، ان کے فقیہ اور ان کے ثقہ تھے۔ وہ عراق پہنچے اور ابو القاسم حسین بن روح (رحمہ اللہ) سے ملاقات کی اور ان سے کچھ مسائل پوچھے، پھر اُس نے علی بن جعفر بن اسود کے ذریعے حسین بن روح کو ایک رقعہ بھیجا، اور اُس سے درخواست کی کہ وہ یہ رقعہ صاحبؑ تک پہنچا دے۔ اُس رقعے میں اُس نے صاحبؑ سے فرزند کی دعا طلب کی تھی۔ تو صاحبؑ نے انہیں لکھا: "ہم نے اس کے لیے تمہارے حق میں اللہ سے دعا کی ہے، اور تمہیں دو نیک بیٹے عطا کیے جائیں گے". پھر اس کے ہاں ایک باندی (ام ولد) سے ابو جعفر اور ابو عبد اللہ پیدا ہوئے۔

اور ابو عبد اللہ حسین بن عبید اللہ کہتے ہیں: "میں نے ابو جعفر سے سنا کہ وہ کہتے تھے: 'میں صاحبِ امرؑ کی دعا سے پیدا ہوا ہوں'، اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔

اس کی کئی کتابیں ہیں جن میں شامل ہیں: کتاب التوحید، کتاب الوضوء، کتاب الصلاة، کتاب الجنائز، کتاب الإمامة، التبصرة من الحيرة، کتاب الإملاء نوادر، کتاب المنطق، کتاب الإخوان، کتاب النساء والولدان، کتاب الشرائع (جو اس نے اپنے بیٹے کے لیے لکھی تھی)، کتاب التفسير، کتاب النكاح، کتاب مناسك الحج، کتاب قرب الإسناد، کتاب التسليم، کتاب الطب، کتاب المواريث، کتاب المعراج۔

ہمیں ابوالحسن عباس بن عمر بن عباس بن محمد بن عبد الملک بن ابی مروان کَلوذانی (رحمہ اللہ) نے خبر دی، کہا: جب علی بن حسین بن بابویہ سنہ 328 ہجری میں بغداد آئے، تو میں نے اُن سے اُن کی تمام کتب کی اجازت حاصل کی۔

اور علی بن حسین سنہ 329 ہجری میں وفات پا گئے، اور یہ وہی سال تھا جس میں ستارے بکھر گئے تھے۔

اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا: ہم نے اپنے ساتھیوں کو کہتے سنا: ہم ابوالحسن علی بن محمد سمری (رحمہ اللہ) کے پاس موجود تھے، تو اُنھوں نے فرمایا: "اللہ علی بن حسین (حسین) بن بابویہ پر رحم فرمائے". تو ان سے کہا گیا: "وہ تو زندہ ہیں"، تو انھوں نے فرمایا: "وہ آج ہی کے دن وفات پا گئے ہیں۔" اس نے آج کی تاریخ لکھا، پھر خبر آئی کہ وہ اسی دن وفات پا گئے) ختم ہوا.

رجال الطوسی صفحہ 432، نمبر 6191 میں ذکر کیا گیا ہے:

(علی بن حسین بن موسٰی بن بابویہ قمی، ابوالحسن کے لقب سے مشہور ہیں، ثقہ ہیں، اور ان کی تصانیف کو ہم نے فہرست میں ذکر کیا ہے۔ ان سے تلعکبری نے روایت کی ہے، اور کہا: میں نے ان سے اُس سال سنا جس سال میں ستارے گرے تھے، جب وہ بغداد آئے، اور اس بات کا ذکر کیا کہ ان سے مجھے ان کی تمام روایات کی اجازت حاصل تھی) ختم ہوا۔

نتیجہ یہ ہے کہ [علی بن حسین] ثقہ، عدل، عظیم مرتبہ اور علم میں مشہور ہیں جیسے لکڑی پر آگ کی طرح، (یعنی ایک چمکدار اور نمایاں شخصیت)، "امام عسکریؑ اور امام مہدیؑ کی خاص توجہ کا مرکز تھے، اور ان کی شخصیت تعارف سے بالاتر ہے۔

احمد بن محمد بن الخلیل:

شیخ علی نمازی شاہرودی نے اپنی کتاب (مستدرکات علم رجال الحدیث) میں نمبر 1532 پر ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

(احمد بن محمد بن الخلیل ابو عبداللہ: ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، وہ شیخ کے طریق میں علی بن الموصلی سے، علی بن حسین سے، اس سے (احمد بن محمد بن الخلیل)، جعفر بن محمد المصری سے، ان کے چچا حسین بن علی سے، ان کے والد سے، اور امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ذکر کتب کمبا جلد 13 صفحہ 237، اور اس کا مکمل حصہ اس میں ہے جلد 9 صفحہ 135، وجد جلد 53 صفحہ 147، اور اس جیسا جلد 36 صفحہ 260 میں آیا ہے۔ لیکن اس میں جعفر بن احمد المصری کا ذکر ہے، جیسا کہ الغیبۃ شیخ (طوسی) میں صفحہ 104 پر اس جیسا جعفر بن

احمد المصری، ان کے چچا حسن بن علی کے بارے میں روایت کی گئی ہے۔ اس روایت میں ائمہ اثنا عشریؑ بارہ اماموں کے نام، فضائل اور ان پر نص موجود ہے، جس سے ان کی حسن اور کمال کی تصدیق ہوتی ہے۔

اور الغیبۃ میں صفحہ 103 پر ایک دوسرے سند کے ساتھ علی بن سنان الموصلی العدل سے، احمد بن محمد بن الخلیل سے، محمد بن صالح الہمذانی سے ایک روایت آئی ہے جس میں اماموں پر نص، ان کے نام اور فضائل ذکر ہیں، اور اس کو مقتضب الاثر نے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ کمبا جلد 9 صفحہ 125 اور جلد 36 صفحہ 216 میں ہے۔

اور صدوق نے اپنی سند کے ساتھ جعفر بن محمد علوی العریضی سے، اس (احمد بن محمد بن الخلیل) سے، علی بن محمد بن جعفر اہوازی سے، شیعہ کے فضائل پر 'فواطم' کے موضوع پر حدیث بیان کرتے ہیں۔ کتاب ایمان صفحہ 122، اور جد 68 صفحہ 76) (میں بھی یہی ذکر آیا ہے) ختم ہوا.[1]

اور جو چیز [احمد بن محمد الخلیل] کی وثاقت کی تائید کرتی ہے، بلکہ اس پر تصریح کرتی ہے، وہ شیخ محمد باقر کجوری کا قول ہے جو انہوں نے اپنی کتاب الخصائص الفاطمیہ میں بیان کیا ہے، جہاں انہوں نے ایک روایت کے سند کی تصحیح کی تصریح کی ہے جس میں [احمد بن محمد الخلیل] آیا ہے اور کجوری کے قول اور اس سے متعلقہ امور کا ذکر پہلے علی بن سنان الموصلی کی ترجمہ میں ہو چکا ہے، اس لیے دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

پھر [احمد بن محمد بن الخلیل] شیعہ، کامل، حسن؛ یعنی اس کی حدیث پر احتجاج کیا جا سکتا ہے، بلکہ وہ ثقہ ہے؛ جیسا کہ کجوری (رحمہ اللہ) نے بیان کیا ہے، اور علامہ حلی اور بعض قدیم علما کے اصولوں کے مطابق اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں کبھی بھی کوئی مذمت نہیں آئی۔

جعفر بن إحمد المصری:

اسے شیخ علی نمازی شاہرودی نے اپنی کتاب "مستدرکات علم رجال الحدیث" میں ذکر کیا ہے، نمبر 2533 پر، یوں کہا:

(جعفر بن احمد مصری: انہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اپنے چچا حسن بن علی، اپنے والد، مولانا صادقؑ سے روایت کی ہے، اور احمد بن محمد بن خلیل نے ان (جعفر بن احمد المصری) سے روایت کی ہے، جیسا کہ غظ

---

[1] - مستدرکات علم رجال الحدیث، شیخ علی نمازی شاہرودی، ج 1 ، ص 434.

صفحہ 104 میں ہے، ایک شریف روایت وہ نصوص (روایات) جو اثنا عشریؑ اماموں کے بارے میں، ان کے ناموں اور فضائل کے بارے میں) ختم ہوا.[1]

اور سید محسن امین نے اعیان الشیعۃ جلد 4 صفحہ 82 میں اس کا ذکر کیا، جہاں انہوں نے کہا:

(جعفر بن احمد بن علی بن بیان بن زید بن سیابہ ابو الفضل الغافقی مصری اور ابن ابی العلاء کے نام سے معروف ہیں۔ وہ تقریباً 304 ہجری کے آس پاس وفات پا گئے۔

فی میزان الاعتدال میں ابن عدی نے کہا میں نے اس سے مصر میں 299 ہجری اور 304 ہجری میں لکھا، اور مجھے لگتا ہے کہ وہ ان ہی سالوں میں فوت ہو گئے۔ اس نے ابو صالح، عبداللہ بن یوسف کلاعی، ابو محمد دمشقی تنسی، سعید بن عفیف، اور دیگر افراد سے موضوع احادیث نقل کیں جنہیں ہم اس کے وضع کرنے کا الزام لگاتے تھے، بلکہ ہمیں اس بات کا یقین تھا۔ وہ رافضی تھا۔

اور ابن یونس نے اس کا ذکر کیا اور کہا: وہ رافضی تھا جو حدیث گھڑتا تھا...، پھر ابن عدی نے کہا: اس کی بیشتر احادیث گھڑی ہوئی تھیں اور وہ اپنے دعووں میں بے شرم تھا، ایسے لوگوں پر جو اس طرح کی کمزور اور جھوٹی احادیث گھڑنے میں اس کے برابر نہیں تھے، اور ان احادیث میں کچھ بھی رسول اللہؐ کے کلام سے مشابہ نہیں تھا۔ اس کے پاس یحییٰ بن بکیر سے صحیح احادیث تھیں لیکن وہ انہیں ان باطل باتوں کے ساتھ ملاتا تھا اور ابن یونس نے اسے 'ماسح' (جھوٹا) کے طور پر وصف کیا۔ ختم ہوا.

میں کہتا ہوں: ان کا اس کی تکذیب کرنا، جیسے حدیث محبک مجی اور حدیث فرعونوں اور اس جیسے دوسرے روایات کے بارے میں، اور مجھے اس بات پر حیرانی نہیں ہوتی کہ وہ احادیث کو حدس اور اندازے سے رد کرتے ہیں کہ وہ کمزور ہیں یا رسول اللہؐ کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتیں۔" ختم ہوا۔ سید محسن امین کا کلام۔

اور یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ سید محسن امین نے احمد مصری کی تضعیف پر تعجب کا اظہار کیا۔

تاریخ اسلام الذہبی جلد 23، صفحہ 139 میں کہا:

(جعفر بن احمد بن علی بن بیان. ابو الفضل الغافقی مصری: رافضی، جھوٹا تھا... اس کے بارے میں کہا: (اس نے ابو صالح، لیث کا کاتب، عثمان بن صالح، ابن وہب کا کاتب، سعید بن عفیف اور عبد اللہ بن یوسف سے موضوع احادیث نقل کیں، ہم اسے ان احادیث کے وضع کرنے (گھڑنے) کا الزام لگاتے تھے، بلکہ ہمیں اس بات کا یقین تھا۔ اور وہ رافضی تھا) ختم ہوا.

---

[1] - مستدرکات علم رجال الحدیث، شیخ علی نمازی شاہرودی، ج 2، ص 143.

میں کہتا ہوں: یہ بات مخفی نہیں کہ اہلِ عامہ (اہل سنت) ہر اس شخص کو جھوٹا قرار دیتے ہیں جو اہلِ بیتؑ کا شیعہ (پیروکار) ہو یا ان کے فضائل اور کرامات روایت کرتا ہو اور اسے حدیثیں گھڑنے والا، بدعتی، اور گمراہ شمار کرتے ہیں، پس اہلِ عامہ (اہل سنت) کا کسی شخص کو اس کے تشیع کی وجہ سے ضعیف کہنا حقیقت میں اس کی توثیق ہے، اور یہ اس کی ولایت اور اہل بیتؑ سے تمسک پر دلالت کرتا ہے، ان تمام سختیوں اور خوفوں کے باوجود جو اس وابستگی کے نتیجے میں پیش آتے تھے، یہاں تک کہ حالت یہ ہو گئی تھی کہ جو شخص معروف ہو جاتا یا جس پر تشیع کا الزام لگتا، وہ اپنی جان اور مال کی سلامتی سے بھی مطمئن نہ ہوتا... آخر تک.

پھر، اہلِ عامہ نے اماموںؑ کے خالص اصحاب کو ضعیف قرار دیا، جن میں سے ایک جابر بن یزید الجعفی ہیں، جن کے مقام و مرتبے کی بلندی کے بارے میں روایات متواتر ہیں، یہاں تک کہ دنیا نے اس جیسے نایاب افراد کے سوا جنم ہی نہیں دیا۔

پھر یہاں میں ان روایات میں سے ایک پیش کر رہا ہوں، جنہیں اہلِ عامہ جعفر بن احمد پر حدیث گھڑنے کا الزام دے کر رد کرتے ہیں، حالانکہ یہ روایت اس کے راوی کے لیے شرف اور اس کی وثاقت و اپنے اماموںؑ سے شدید محبت کی دلیل ہے، خصوصاً اس زمانے میں جب تشیع اور فضائلِ آلِ محمدؐ کے اظہار کرنے والے نایاب ہو چکے تھے۔ یہ روایت اہلِ عامہ کے مصادر میں آئی ہے:

عبداللہ بن عدی نے الکامل (جلد 5، صفحہ 127) میں نقل کیا ہے:

(ہمیں جعفر بن احمد بن علی بن بیان الغافقی نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں ابو ابراہیم اسماعیل بن اسحاق کوفی انصاری نے حدیث بیان کی، ہمیں ابو خالد عمرو بن خالد واسطی نے حدیث بیان کی، ابو ہاشم الرمانی سے، زاذان بن عمر سے، سلمان فارسی سے، کہا: میں نے رسول اللہ ؐ کو دیکھا کہ انہوں نے علی بن ابی طالب ؑ کی ران اور سینے پر ہاتھ مارا اور میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا: (تم سے محبت رکھنے والا مجھ سے محبت رکھتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھنے والا اللہ سے محبت رکھتا ہے۔ اور تم سے بغض (دشمنی) رکھنے والا مجھ سے بغض رکھتا ہے، اور مجھ سے بغض رکھنے والا اللہ سے بغض رکھتا ہے) اور یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے، اور ہم اس (حدیث) میں ابن احمد بن بیان پر حدیث گھڑنے کا الزام لگاتے تھے) ختم ہوا.

حالانکہ یہ وہی روایت ہے جسے انہوں نے ظلم کرتے ہوئے رد کر دیا، جبکہ درحقیقت جعفر بن احمد مصری کی روایت بالکل حق ہے، اور یہ روایت اہلِ بیتؑ سے دسیوں یا سینکڑوں مقامات پر بعینہٖ یا مفہوماً منقول ہے اور آپ کے سامنے یہ روایت ہے جو شیخ صدوق (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب الأمالی میں نقل کی ہے: ... زاذان سے، اُس نے کہا: سلمان نے مجھ سے کہا: اے زاذان! علیؑ سے محبت رکھ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ؐ کو دیکھا

کہ آپؐ نے علیؑ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: (تم سے محبت رکھنے والا مجھ سے محبت رکھتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھنے والا اللہ سے محبت رکھتا ہے۔ اور تم سے بغض (دشمنی) رکھنے والا مجھ سے بغض رکھتا ہے، اور مجھ سے بغض رکھنے والا اللہ سے بغض رکھتا ہے).[1]

پس وہ شخص شیعہ ہے اور اپنے تشیع پر ثابت قدم ہے، باوجود اس کے کہ اُس کے دشمن موجود ہیں، اور اس کی مذمت جو جاہل لوگ صرف اس کے تشیع کی وجہ سے کرتے ہیں، درحقیقت وہی اس کے لیے کمال اور وثاقت (اعتماد و اعتبار) کی دلیل ہے، جیساکہ شاعر نے کہا:

اور جب میری مذمت کسی ناقص کی طرف سے آئے*** تو یہی میرے کامل ہونے کی گواہی ہے

اور میرزا النوری (رحمہ اللہ) نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اہلِ عامہ کا شیعہ راویوں پر طعن کرنا درحقیقت اُن کی وثاقت کی دلیل ہے، جیساکہ کتاب (مستدرک الوسائل) کے تحقیق کے مقدمے میں اُن (میرزا النوری) سے نقل کیا گیا ہے، اور یہ بات کئی مواقع سے ماخوذ ہے جنہیں میرزا نوری نے اپنی اس کتاب میں بطورِ دلیل پیش کیا ہے۔ اور یہ ہے مقدمے کے کلام کا اصل نص:

(5. یعنی میرزا نوری نے اہلِ سنت کی طرف سے شیعہ راویوں پر طعن کو اُن کی وثاقت (اعتماد) کی دلیل شمار کیا ہے؛ کیونکہ کسی شیعہ راوی کی بزرگی، امانت داری، اور اہلِ بیتؑ سے شدید وابستگی کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اہلِ عامہ اُسے ضعیف قرار دیں اور غالی شیعوں میں شمار کریں، جیساکہ (حدیث نمبر 479) اور دیگر بہت سی روایات میں موجود ہے).[2]

اور اُن مقامات میں سے ایک جہاں میرزا نوری نے اس مفہوم پر صراحت کی ہے، وہ بحر السقا کے ترجمہ (سوانح) میں ہے، جو درج ذیل ہے:

اس نے کہا: (اور بحر السقا کی طرف ... یہاں تک کہ کہا: اور یہ بھی اس کی وثاقت کی طرف اشارہ ہے ... اور عامہ (اہل سنت) کا اسے ضعیف قرار دینا).[3]

اور اسی طرح محقق داماد نے بھی ایک ایسے شخص کے دفاع میں فرمایا، جسے عامہ نے صرف اس کے تشیع کی بنا پر ضعیف کہا تھا:

---

[1] -امالی، شیخ طوسی، ص 352 .

[2] -خاتمہ مستدرک، میرزانوری، ج 1، ص 72 مقدمہ تحقیق .

[3] -خاتمہ مستدرک، میرزانوری، ج 4، ص 178–179 .

(... اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی شخص کی بزرگی اور اس کی حدیث کی صحت کی نشانی یہ ہے کہ عوام اس پر تشیع کی وجہ سے طعن کریں، باوجود اس کے کہ وہ (عامہ) خود اُس کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں). [1]

اور عامہ نے جعفر بن احمد پر کوئی اعتراض نہیں کیا، سوائے اس کے کہ وہ اہلِ بیتؑ کے فضائل میں روایت کرتا تھا، یا ایسی روایات نقل کرتا تھا جو ان کے عقائد اور ان کے مذہب کے خلاف تھیں، ورنہ دیگر امور میں تو خود انہوں نے اس کی احادیث کی درستی کا اعتراف کیا ہے، جیسا کہ ابن حجر نے لسان المیزان میں ابن عدی سے نقل کیا ہے:

(پھر ابن عدی نے کہا... اور اس کے پاس یحییٰ بن بکیر سے ایسی احادیث تھیں جو درست تھیں، لیکن وہ ان میں ان باطل باتوں کو بھی شامل کر دیتا تھا) [2] ختم ہوا.

اور ان باطل باتوں میں سے ایک، جسے وہ (اہلِ عامہ) باطل قرار دیتے ہیں، یہ روایت ہے جو اُس نے رسول خداؐ سے امیر المؤمنینؑ کے حق میں نقل کی: (تم سے محبت رکھنے والا مجھ سے محبت رکھتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھنے والا اللہ سے محبت رکھتا ہے، اور تم سے بغض رکھنے والا مجھ سے بغض رکھتا ہے، اور مجھ سے بغض رکھنے والا اللہ سے بغض رکھتا ہے).

فلا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم.

نتیجہ یہ ہے کہ [جعفر بن احمد مصری] شیعہ، ثابت قدم، محکم، بلکہ حسن ہیں؛ جیسا کہ شیخ نمازی نے خلیل اور موصلی کے ترجمے میں بتایا، اور وہ علامہ حلی اور بعض قدیم علماء کے اصول کے مطابق اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کبھی بھی ان کی مذمت نہیں کی گئی، بلکہ وہ ثقہ ہیں جیسا کہ بعض علماء نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ عامہ کا کسی راوی پر تشیع کی بنا پر طعن و تضعیف اس کی وثاقت اور حدیث کی صحت کی علامت ہے، جیسا کہ میرزا نوری اور محقق داماد نے اس پر اشارہ کیا، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا.

الحسن (الحسین) بن علی:

وہ حسین ہیں، نہ کہ حسن، اور یقیناً (الحسن) میں تصحیف ہے، اس کا دلیل یہ ہے کہ والد اور لقب یا نسبت دونوں میں اتحاد ہے، جو کہ (المصری) ہے، نیز یہ کہ وہ (دونوں) اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو امام جوادؑ کے

---

[1] - سماء المقال فی علم الرجال، کلباسی، ج 1، ص 210–211.

[2] - لسان المیزان، ابن حجر، ج 2، ص 109 .

ہم عصر ہیں، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ امام رضا اور امام ہادیؑ کے ہم عصر بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ محقق خوئی نے ج ۷، نمبر ۳۵۱۲ میں ذکر کیا ہے:

(الحسین بن علی ابو عبد اللہ المصری: ... میں کہتا ہوں: ابن حجر سے نقل ہے کہ علی بن قادم سنہ ۲۱۳ ہجری میں وفات پا گئے، یا اس سے پہلے۔ تو اس حساب سے، حسین بن علی وہ شخص ہیں جو امام جوادؑ کے ہم عصر تھے، اور ممکن ہے کہ وہ امام رضا اور امام ہادیؑ کے بھی ہم عصر ہوں). [1]

اور نہ تو روایات میں اور نہ ہی کتابوں میں کسی شخص کا ذکر آیا ہے جس کا نام حسن بن علی ہو اور جو مصری کے لقب سے معروف ہو یا یہ کہ وہ مصر میں مقیم تھا یا اس سے کوئی اشارہ ملتا ہو، اسی طرح بعض کتابوں میں وصیت کی سند "حسین بن علی" کے الفاظ کے ساتھ ذکر ہوئی ہے، جیسا کہ بحار الاانوار، علامہ مجلسی، جلد 53، صفحات 147–148 میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ، حسین بن علی ایک ایسی کتاب کے مؤلف ہیں جو (امامت) کے موضوع پر لکھی گئی معتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہے، اور یہی بات اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وصیت انہی کی کتاب سے نقل ہوئی ہے، کیونکہ وہ وصیت بھی امامت کے موضوع پر ہے، جیسا کہ نجاشی، خوئی اور دیگر علما نے اس پر تصریح کی ہے۔ اور اب میں سید ہاشم بحرانی کا کلام نقل کرتا ہوں، جب انہوں نے معتبر کتابوں کا شمار کرتے ہوئے کہا:

(رہی بات ائمہ اثنا عشرؑ کی امامت کے مسئلے کی، تو اس پر ہمارے قدیم علما اور متاخرین مشائخ نے کتابیں تصنیف کی ہیں، اور ان کے دلائل و معجزات پر بھی تصانیف لکھی ہیں، جن کا ذکر کتب رجال کے فہارس میں موجود ہے، اور جو ان کے درمیان مشہور اور ان کے نزدیک معلوم و معروف ہیں۔ اور میں یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کر رہا ہوں، ان علمائے متقدمین میں سے جنہوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، جو اصحابِ درایت و روایت میں سے ہیں، ائمہؑ کے اصحاب و ہمنشین اور پہلے دور کے ہمارے علماء کے قریب ترین افراد میں سے ہیں: ... یہاں تک کہ کہا: (16. کتاب الامامت شیخ ثقہ، متکلم، ابو عبد اللہ حسین بن علی مصری کا). [2]

اور جو کچھ پہلے بیان ہوا، اس کی بنیاد پر اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ اس کا نام (حسین بن علی) ہے، نہ کہ (حسن بن علی)۔ اور اس طرح کی تصحیف (غلطیاں) کتابوں میں بالخصوص شیخ طوسی کی کتابوں میں

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 7، صفحات 40–41.

[2] - مدینۃ المعاجز، ج 1، صفحات 31–33.

کثرت سے پائی جاتی ہیں، یعنی "حسین" کو "حسن" سے بدل دینا یا اس کے برعکس۔ اور محقق خوئی نے اپنی معجم میں متعدد مقامات پر اس بات کو ثابت کیا ہے، جنہیں شمار کرنا مشکل ہے۔

اسی طرح اس بات کی تائید یہ بھی کرتی ہے کہ وہ اپنے بھتیجے (جعفر بن احمد المصری) کے ساتھ "مصری" کے لقب میں شریک ہے۔ یعنی وہ ایک ہی خاندان سے ہیں جنہیں (المصری) کے لقب سے پہچانا جاتا ہے۔

اور اس کا ترجمہ (سوانح حیات) اس طرح ہے:

رجال النجاشی، صفحہ 66، نمبر [155]:

(حسین بن علی ابو عبداللہ مصری: متکلم (علم کلام کے عالم)، قابل اعتماد (ثقہ)، مصر میں رہتے تھے، علی بن قادم، ابو داود طیالسی، ابو سلمہ اور ان جیسے لوگوں سے احادیث سنی ہیں۔ ان کی کچھ کتابیں ہیں، جن میں سے ایک کتاب الامامہ ہے اور ایک حسین بن علی کرابیسی کے رد میں لکھی گئی کتاب ہے)

مستدرکات علم رجال الحدیث - شیخ علی نمازی شاہرودی، جلد 3، صفحہ 156، نمبر: 4481:

(حسین بن علی ابو عبداللہ مصری: وہ علم کلام کے ماہر اور ثقہ (قابل اعتماد) شخص تھے۔ یہ بات النجاشی نے کہی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کی کتاب "الامامہ" ہے اور انہوں نے علی بن قادم اور دیگر سے احادیث سنی ہیں۔ علی بن قادم 213 ہجری یا اس سے پہلے وفات پا گئے، جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے) ختم ہوا.

تو پھر، [علی بن حسین] شیعہ، ثقہ، متکلم، معتمد علیہ (اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے)، اور معتبر کتابوں اور تصانیف کے مالک ہیں۔

علی بن بیان بن زید بن سیابہ (والد حسین بن علی مصری):

1. اس پر وہی باتیں لاگو ہوتی ہیں جو وصیت کے راویوں پر لاگو ہوتی ہیں، جیسا کہ علی النمازی شاہرودی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ان کی حسن اور کمال کو ظاہر کرتی ہیں۔ تو غور کریں۔ اس کے علاوہ دیگر امور جیسے جلیل القدر راویوں کی روایت وغیرہ بھی شامل ہیں۔

2. وہ امام صادقؑ اور ان کے اصحاب سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں، اور بعض بڑے علما نے ان سب کی وثاقت کو ترجیح دی ہے، سوائے ان کے جن کی ضعف ثابت ہو. یعنی اصل میں امام صادقؑ کے اصحاب کی وثاقت ہے، سوائے ان لوگوں کے جو دلیل سے وثاقت سے باہر ہو جائیں، جیسا کہ حر عاملی نے "اِمل الآمل" میں ذکر کیا ہے، اور (خلید) کی ترجمہ میں کہا ہے:

(اگر یہ کہا جائے کہ (خلید) کی توثیق اور امام صادقؑ کے اصحاب کی توثیق کی گئی ہے سوائے ان کے جن کی ضعف ثابت ہو، تو یہ بعید نہ ہوگا؛ کیونکہ مفید نے "الإرشاد" میں، ابن شہر آشوب نے "معالم العلماء" میں، اور طبرسی نے "إعلام الوری" میں امام صادقؑ کے چار ہزار اصحاب کی توثیق کی ہے، جبکہ ان میں سے جو راوی موجود ہیں وہ تمام کتابوں میں تین ہزار سے کم ہیں۔ اور علامہ اور دیگر نے ذکر کیا کہ ابن عقدہ نے ان چار ہزار افراد کو جو رجال اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، جمع کیا). [1]

اور شیخ علی النمازی شاہرودی نے شیخ مفید اور دیگر علماء سے، امام صادقؑ کے اصحاب کی توثیق کے بارے میں کہا: (اور یہ توثیقات ابن قولویہ کی کتاب کے رجال کی توثیقات سے، اور قمی کی تفسیر کے رجال سے، اور طبری کی کتاب کے رجال سے بھی کم نہیں ہو سکتیں، تو کہا جا سکتا ہے کہ امام صادقؑ کے اصحاب میں اصل وثاقت ہے سوائے ان کے جو دلیل سے خارج ہوں، جیسے ابن قولویہ اور قمی کے رجال کے بارے میں کہا جا سکتا ہے). [2]

3. شیخ طوسی کے کلام سے ثابت ہے کہ وصیت کے تمام راوی شیعہ ہیں، اور بعض بڑے علمائے رجال کا یہ نظریہ ہے کہ شیعہ راویوں کے بارے میں اصل اصول یہی ہے کہ وہ ثقہ ہوتے ہیں، سوائے ان کے جن کی صراحتاً تضعیف کی گئی ہو، جیسا کہ محقق خوئی نے اپنی "معجم رجال الحدیث" میں متعدد مقامات پر علامہ حلی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، بلکہ اس قول کو کئی اکابر متقدمین کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ کچھ مثالیں ذکر کروں:

علامہ حلی نے [احمد بن اسماعیل بن سمکہ بن عبد اللہ] کی ترجمہ میں کہا: ... ہمارے علما نے اس کی نہ تو صراحتاً توثیق کی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی جرح وارد ہوئی ہے، پس اقویٰ یہی ہے کہ اس کی روایت کو قبول کیا جائے، اگر وہ معارض سے خالی ہو (اگر اس کی روایت کسی اور روایت سے متعارض نہ ہو). [3]

محقق خوئی نے علامہ حلی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

(میں کہتا ہوں: یہ بات علامہ (قدس سرہ) کے اس اصول پر اعتماد کو واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ ہر اس امامی (شیعہ) کے بارے میں اصل میں عدالت مانی جائے گی جس کی فسق پر کوئی دلیل ثابت نہ ہو، جیسا کہ انہوں نے اسے فقہا کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے، اور ہم نے بھی اس بات کو بعض اکابر کی طرف

---

[1] -اِمل الآمل، حر عاملی، ج1 ص83 .

[2] - مستدرکات علم رجال الحدیث، شیخ علی نمازی شاہرودی، ج 1، ص64.

[3] - خلاصہ الاقوال، ص 66 .

سے، ابراہیم بن سلام (سلامۃ) کی ترجمہ (سوانح حیات) میں، پہلے بیان کیا ہے۔ اور جب یہ بات دوسرے اکابر سے صادر ہو چکی ہے تو علامہ سے اس کا صدور کوئی حیرت کی بات نہیں). [1]

علامہ حلی نے ابراہیم بن ہاشم کی ترجمہ میں کہا: (... اور میں نے ہمارے اصحاب میں سے کسی کو اس پر قدح (عیب) کرتے نہیں پایا، نہ ہی کسی نے صراحت کے ساتھ اس کی توثیق کی ہے، لیکن اس سے بہت سی روایات منقول ہیں، اور راجح یہی ہے کہ اس کی روایت کو قبول کیا جائے). [2]

خوئی نے کہا: (... علامہ اُس شخص پر اعتماد کرتے ہیں جس کے بارے میں کوئی قدح (عیب) وارد نہ ہوئی ہو، اور اس کی روایت کو صحیح شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی صراحت احمد بن اسماعیل بن سمکہ کی ترجمہ میں کی ہے...). [3]

خوئی نے کہا: (اوّلاً: جیسا کہ واضح ہو چکا ہے کہ قدیم علماء کا کسی راوی کی روایت پر اعتماد کرنا اس کی توثیق پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ جیسا کہ تم نے جانا ہے کہ یہ اعتماد 'اصالۃ العدالۃ' (عدالت کے اصول) پر مبنی تھا، جس پر ہم بنیاد نہیں رکھتے). [4]

خوئی نے کہا: (جبرائیل بن احمد: ... اور کشی اس سے بہت سی روایات نقل کرتے ہیں، اور اس پر اعتماد کرتے ہیں، اور وہ جو کچھ اس نے اپنی ہاتھ سے لکھا ہے، روایت کرتے ہیں، لیکن جیسا کہ تم نے کئی بار جانا ہے، قدیم علماء کا کسی شخص پر اعتماد کرنا اس کی وثاقت یا حسن پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ اس اعتماد کو 'اصالۃ العدالۃ' (اصل میں ہر شخص کو درست سمجھا جائے جب تک کہ اس کی بے ایمانی ثابت نہ ہو) پر مبنی رکھتے ہیں). [5]

خوئی نے کہا: (عیسیٰ بن عبد اللہ الہاشمی: ... سوائے اس کے کہ صدوق کا اس تک پہنچنے کا راستہ محمد بن ابی عبد اللہ کے ذریعے ضعیف ہے، کیونکہ وہ مجہول (نامعلوم) ہیں، لیکن علامہ نے اس راستے کو صحیح قرار دیا ہے، اور ممکن ہے کہ یہ ان کے (اصالۃ العدالۃ) پر اعتماد کی وجہ سے ہو). [6]

---

[1] - معجم رجال الحدیث، خوئی، ج 2، صفحات 57 – 58 .

[2] -خلاصہ الاقوال، علامہ حلی، ص 49 .

[3] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 1، ص 278 .

[4] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 3، ص 122.

[5] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 4، ص 352 – 353.

[6] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج، 14، ص 218 – 219.

اور علی بن بیان، جو حسین بن علی کے والد ہیں، ان کے بارے میں کبھی بھی تضعیف یا مذمت نہیں آئی، پس وہ بہت سے بڑے علما کے نزدیک ثقہ شمار ہوتا ہے، اور کوئی بھی شخص ہمیں خوئی کے رای اور اجتہاد پر مجبور نہیں کر سکتا۔ بلکہ اگر ہم علماء رجال کے اقوال پر انحصار کرنا چاہیں تو ہم جسے چاہیں منتخب کر سکتے ہیں، بلکہ قدیم علماء کا رائے انتخاب کرنا زیادہ مناسب ہو سکتا ہے کیونکہ وہ کم از کم معصومینؑ کے دور کے قریب تھے، یعنی وہ زیادہ جانتے ہیں کہ راوی کے بارے میں کیا شرائط ہونی چاہئیں تاکہ اس کی روایت پر اعتماد کیا جاسکے اور اس کے نقل کو قبول کیا جاسکے، اور خاص طور پر ان کے اقوال جو معصومین کی تعلیمات سے قریب یا ہم آہنگ ہیں، توثیق یا تضعیف کی دقّت اور صحت سے قطع نظر۔

اور جو کچھ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس کے مطابق کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وصیت کے رواۃ میں سے کسی کو ضعیف قرار دیا جائے کیونکہ ان میں سے کسی کے بارے میں بھی مذمت یا تضعیف کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اس کے علاوہ، ان میں بڑے بڑے علماء اور انتہائی معتبر شخصیات بھی موجود ہیں، اور بعض علماء نے عمومی سند وصیت کی توثیق کی ہے، جیسے میرزا نوری (رحمت اللہ علیہ) جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ شیخ علی نمازی اور ان جیسے دیگر متاخرین کی توثیق، نجاشی اور شیخ طوسی کی توثیق یا تضعیف سے زیادہ دقیق ہے، خاص طور پر ان کی اجتہادی تضعیف اور یہاں تک کہ نقلی تضعیف بھی، کیونکہ متأخرین کو متقدمین اور نجاشی، طوسی و دیگر علماء کے اقوال و روایات کا مکمل احاطہ حاصل تھا، اور انہوں نے مختلف اقوال کا موازنہ کیا اور ان میں سے راجح (زیادہ قابلِ قبول) قول کو پہچانا۔ انہوں نے صرف علماء الرجال کی تزکیہ اور تضعیف پر اکتفا نہیں کی، برعکس نجاشی اور طوسی کی کتابوں کے، جو اشتباہ، غلطی اور تناقض (تضاد) سے بھری ہوئی ہیں ... آخر تک، پھر اگر ہم نرمی اختیار کریں اور توثیقات کو روایات کے قبول کرنے میں حجت مان لیں، تو ایسی صورت میں شیخ نمازی شاہرودی، میرزا نوری اور ان جیسے دیگر علما کی توثیقات کو قبول کرنا زیادہ اولیٰ اور راجح ہوگا اور خاص طور پر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ (یعنی متأخرین جیسے نمازی شاہرودی و میرزا نوری) نہایت دقیق ہیں، طعن و تضعیف میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے، اور کسی قول کو بغیر غور و تحقیق کے قبول نہیں کرتے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی بنیاد ائمہؑ سے منقول روایات پر رکھتے ہیں، اور میں نے نہیں پایا کہ انہوں نے کسی بھی شخص کے قول کو ائمہؑ کے کلام پر ترجیح دی ہو، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہی طرزِ فکر ان کے طریقہ کار پر غالب ہے۔ ایسے طریقہ کار میں دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جسے ائمہؑ نے مذمت کی ہو، اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ جیسا کہ خود ائمہؑ سے اس بارے میں نصوص منقول ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ [علی، جو حسین (الثقہ) کے والد ہیں] شیعہ، نیک (حسن) شخص ہیں؛ جیسا کہ شیخ علی نمازی نے خلیل اور موصلی کی ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ نیز وہ قابلِ اعتماد (معتمد علیہ) ہیں، علامہ حلی اور بعض دیگر متقدّم علما کے اصول کے مطابق، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی ذم (مذمت) منقول نہیں ہے۔ بلکہ وہ ثقہ ہیں، اس بات پر جو حر عاملی نے "خُلَید" کی ترجمہ میں اس پر یقین یا فیصلہ کیا ہے اور شیخ علی نمازی شاہرودی نے بھی؛ کیونکہ وہ امام صادق ؑ کے اصحاب میں سے ہیں، جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور اللہ کی درود و سلام ہو محمد ؐ پر اور ان کے اہل بیت، یعنی ائمہ اور مہدیین پر، اور ان پر جو ان کے وصیّوں کے منکر اور دشمن ہیں، اللہ کی لعنت ہو روزِ قیامت تک۔ اور جو لوگ آل محمدؑ پر ظلم کرتے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس انجام کی طرف لوٹ رہے ہیں، اور انجام پرہیزگاروں ہی کا ہوگا۔

یہ صفحات اللہ کی توفیق اور رحمت سے مکمل ہو گئے ہیں، پیر کے دن صبح:
1 جمادی الاول/1430ھ ق، 27 اپریل 2009 عیسوی۔

الشیخ ناظم العقیل

ضمیمہ : [علی بن الحسین = علی بن الحسین بن بابویہ]

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على محمد وآله الأئمة والمهديين وسلم تسليماً كثيراً

تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور ان کے اہل بیت ائمہ و مہدیین پر، اور بہت زیادہ سلامتی ہو۔

شک کرنے والے لوگ، پیدائشی طور پر شک، کٹ حجتی اور جھگڑے کے مرض پر پیدا ہوئے ہیں، اور وہ اہل بیتؑ کی احادیث کو رد کرنے اور انہیں ضعیف قرار دینے میں جھوٹی اور بے بنیاد دلیلوں کا سہارا لیتے ہیں جن کا حق سے کوئی حقیقی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہیں، نہ اس کے رسول مصطفیٰؐ سے، اور نہ ہی ان کے پاکیزہ اہل بیتؑ سے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں دین اور حق کو جانچنے اور قبول یا رد کرنے کے لیے معیار مقرر کر دیا ہو۔

بیشک وہ اہل بیتؑ کے راستے اور اُن کی ہدایات سے ہٹ گئے کہ کس طرح اُن کے ورثے اور مقدس روایات کے ساتھ برتاؤ کیا جائے، اور کس طرح کسی حدیث پر اعتماد کیا جائے یا اس میں توقف کیا جائے۔ انہوں نے اس کی جگہ ایسے خودساختہ مناہج اپنا لیے جو تضاد، خطا، بھول، اشتباہ، کمی اور کوتاہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے اہل بیتؑ کی پاکیزہ روایات کو رد کرنے اور انہیں ضعیف قرار دینے میں حد سے تجاوز کیا، بغیر کسی پرہیزگاری یا تقویٰ کے. انہوں نے یہ نظرانداز کر دیا کہ درحقیقت وہ اپنے اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے جنگ کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں یہ اختیار ہرگز نہیں دیا۔

بہرحال، بہت سے لوگوں نے فخر و غرور کے ساتھ یہ کہنا شروع کر دیا کہ رسولِ اللہ ؐ کی وفات کے وقت کی وصیت کی روایت ضعیف ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ ہم نے اس روایت کی صحت، تقدس اور اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کئی کتابیں شائع کی ہیں، اور اہل بیتؑ کے طریقے کے مطابق، جو کہ خبریں اور روایات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہے۔

پھر ہم نے ان کے سامنے نرمی اختیار کی اور اُن کے ہی درایت و منہج کے مطابق وصیت کی روایت کی صحت کو ثابت کیا، کتاب (دفاعاً عن الوصیة) میں۔ اس کے بعد بھی ہم نے ان کے لیے مزید نرمی برتی اور (انتصاراً للوصیة) نامی کتاب میں وصیت کی روایت کے راویوں کی توثیق پر مفصل گفتگو کی، اور علمائے رجال کی طرف سے راویانِ وصیت کی تعریف و توثیق کو- چاہے وہ ضمنی (خلاصہ) ہو یا تفصیلی - ذکر کیا۔

حالانکہ جو شخص پہلے سے ہی جھٹلانے اور شک کرنے کا موقف رکھتا ہے، کبھی اقرار یا تسلیم نہیں کرے گا، پھر بھی مشکوکین اور شکی مزاج افراد کی طرف سے شکوک و شبہات کی بگولے اٹھنے لگے، اور وہ ہر اُس وہم و گمان کو تھامنے لگے، چاہے وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، شاید اس بہانے لوگوں کو وصیتِ رسول محمدؐ پر ایمان لانے سے روک سکیں، تاکہ وہ عمر بن خطاب کے ساتھ اُس وقت کی جسارت میں شریک ہو جائیں، جب اُس نے رسول اللہؐ کو یہ وصیت لوگوں کے لیے تحریر کرنے سے روک دیا تھا۔

چند ایسے افراد جو سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتے، حالانکہ وہ ان کے ہاتھ میں ہو، انہوں نے یہ کہا کہ [علی بن حسین] جو وصیت کے سند میں آئے ہیں اور جن سے علی بن سنان الموصلی نے روایت کی ہے، مجہول ہیں، اور وہ [علی بن حسین بن بابویہ قمی] نہیں ہیں!!!"

حالانکہ ہم نے مرزا نوری کا قول ذکر کیا ہے کہ جب [علی بن حسین] کا نام مطلق طور پر بغیر کسی نسب یا لقب کے لیا جائے تو یہ [علی بن حسین بن بابویہ قمی] کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اس میں مزید یہ کہ علی بن سنان الموصلی، علی بن حسین بن بابویہ قمی کے ہم عصر تھے اور دونوں امام مہدیؑ کی غیبت صغریٰ کے دوران زندگی گزار رہے تھے، اور [علی بن الحسین] کا مطلق طور پر نام لینا فطری طور پر اس دور میں اس کے بہترین اور شریف ترین مصداق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ورنہ اسے لقب یا کسی اور قید کے ساتھ مخصوص کیا جاتا تاکہ اسے دیگر افراد سے اور نام میں مشترک ہونے والوں سے تمیز کیا جا سکے اور یہ بات معروف ہے کہ [علی بن حسین بن بابویہ] غیبتِ صغریٰ کے زمانے میں اور اس سے قبل بھی اہلِ قم کے شیخ، ان کے رئیس، ان کے فاضل، اور ان پر مقدم شمار ہوتے تھے، یہاں تک کہ امام حسن عسکریؑ اپنی ایک تحریری گفتگو میں انہیں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (یا شیخی...؛ اے میرے شیخ)، اور علی بن حسین بن بابویہ نے امام مہدیؑ کو حسین بن روح کے ذریعے خط لکھا کہ وہ ان کے لیے اولاد کی دعا کریں، تو امامؑ نے اُن کے لیے دعا کی اور اُنہیں خبر دی کہ ان کے ہاں ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جو عالم اور صالح (نیک) ہوگا۔ پھر ان کے ہاں شیخ صدوق اور دیگر اولاد پیدا ہوئی۔

تو کوئی ایسا شخص نہیں جو ابن بابویہ کے برابر یا ان سے زیادہ فضل و شہرت رکھتا ہو اس نام کے ساتھ اور اسی طبقے میں ہو کہ جب [علی بن حسین] کا نام بغیر کسی اضافے کے ذکر کیا جائے تو اس کا اشارہ اسی (شخص) کی طرف ہو۔

حالانکہ ان کے معاصرین یا ان سے تھوڑا آگے یا پیچھے جو [علی بن حسین] کے نام سے جانے جاتے ہیں، اہل حدیث و رجال ان کو ان کے القاب اور نسب سے جانتے ہیں جیسے [علی بن الحسن سعد آبادی] اور وہ اُن راویوں میں سے ہے جن سے ابنِ بابویہ نے حدیث روایت کی ہے، نہ یہ کہ اُس نے ابنِ بابویہ سے روایت کی ہو اور [علی بن الحسن مسعودی] اور [علی بن حسین مؤدب] و... اور اسی طرح، اور جسے اہلِ حدیث و رجال نے مسلسل صرف [علی بن حسین] کے نام سے (بغیر کسی لقب یا نسبت کے) یاد کیا ہے، وہ ابنِ بابویہ ہی ہے کیونکہ انہیں اپنے جد یا لقب یا نسب کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ وہ مشہور و معروف ہیں اور [علی بن الحسین] کے نام کے ذکر سے ہی سامع کا ذہن فوراً ابن بابویہ قمی کی طرف جاتا ہے۔

اور ان تمام باتوں کے بعد بھی، میں معاملے کو مزید تفصیل سے بیان کروں گا تاکہ کسی احتجاج کرنے والے کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے، اور نہ ہی کسی عذر پیش کرنے والے کے لیے کوئی عذر۔ اور ہم عناد رکھنے والوں کے منہ میں ایک پتھر نہیں بلکہ پتھر پر پتھر رکھ کر ٹھونس دیں گے۔ گفتگو نکات کی صورت میں پیش کی جائے گی:

پہلا نکتہ: کتب میں راوی

اگر ہم متقدّمین کی حدیث کی کتب کا جائزہ لیں اور عنوان [علی بن الحسین] کا تتبّع کریں، اس کے راوی، مروی عنہ، اور طبقے کا لحاظ رکھتے ہوئے، تو ہم پاتے ہیں کہ یہ عنوان [علی بن الحسین] بغیر کسی جد، لقب یا نسبت یا اس جیسے کے ذکر نہیں کیا جاتا سوائے [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] کے اور جب اس نام [علی بن الحسین] کا کوئی اور فرد مراد ہو، تو اس کے ساتھ ہمیشہ اُس کا جد، لقب یا نسبت بھی بیان کی جاتی ہے، جیسے: (علی بن الحسین السعد آبادی)، (علی بن الحسین النحوی)، (علی بن الحسین بن ہارون الدقاق)، (علی بن الحسین بن فرج المؤذن) و اور دوسرے لوگ۔

یہ سب سے بڑا دلیل ہے کہ جب یہ نام بغیر کسی اضافی تشریح کے ذکر کیا جاتا ہے تو یہ [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] کی طرف ہی منصرف ہوتا (رجوع کرتا) ہے۔ خاص طور پر جب ہمیں معلوم ہو کہ شیخ طوسی اپنی اسناد

میں اسی طریقے کو اپناتے تھے اور روایتِ وصیت بھی انہی کی مرویات میں سے ہے۔ تو اب ہم شیخ طوسی کی اہم اور بنیادی کتابوں کا تتبع شروع کرتے ہیں تاکہ اس حقیقت کو مزید واضح کر سکیں:

اولاً، کتاب تہذیب الأحکام:

1. جلد 1، حدیث 891، صفحہ 307: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، وہ عبداللہ بن صلت سے، وہ نضر بن سوید سے ... آخر تک.
2. جلد 1، حدیث 989، صفحہ 338: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، وہ الحسین بن یزید سے، وہ السکونی سے ... آخر تک.
3. جلد 1، حدیث 965، صفحہ 330: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، وہ عبداللہ بن صلت سے، وہ صفوان سے ... آخر تک.
4. جلد 1، حدیث 1372، صفحہ 430: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، وہ عبداللہ بن صلت سے، وہ احمد بن محمد بن ابی نصر سے ... آخر تک.
5. جلد 1، حدیث 1376، صفحہ 431: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، وہ عبداللہ بن صلت سے، وہ عبداللہ بن مغیرہ سے ... آخر تک.
6. جلد 1 ح1389 ص433: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، عبداللہ بن الصلت سے، عبد اللہ بن المغیرہ سے...آخر تک.
7. جلد 1 حدیث 1423 ص440: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، عبد اللہ بن الصلت سے، ابن ابی عمیر سے...آخر تک.
8. جلد 1 حدیث 1434 ص444: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی سے، عبداللہ بن الصلت سے، ابن بنت الیاس سے...آخر تک.
9. جلد 3 حدیث 979 ص316: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن علی بن الصلت سے، عبداللہ بن الصلت سے، الحسن بن علی سے...آخر تک.

اور اس کے علاوہ پانچ دیگر مواقع ہیں جہاں صرف علی بن الحسین (بغیر تفصیل)، محمد بن احمد بن علی سے روایت کرتے ہیں، اور وہ محمد بن احمد بن علی بن الصلت، جو شیخ صدوق کے شیخ (استاد) ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث محقق خوئی نے اپنے معجم میں کی ہے، ج 16 نمبر 10146 صفحہ 16 اور نمبر 10150 صفحہ 18 میں ملاحظہ کریں۔

اور محقق خوئی نے تصریح کیا ہے کہ [محمد بن احمد بن علی] اس عنوان سے سولہ مواقع پر ذکر ہوئے ہیں، جو کہ میں نے ابھی ذکر کیے ہیں، اور شاید ایک یا دو مواقع رہ گئے ہوں، ممکن ہے وہ استبصار میں ہوں۔ اور خوئی نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ ان سب میں [علی بن الحسین] نے ان [محمد بن احمد بن علی] سے روایت کی۔ اور پھر انہوں نے وضاحت کی کہ یہ علی بن الحسین وہی ابن بابویہ قمی ہیں۔ آپ کو محقق خوئی کا اقتباس پیش کرتا ہوں:

معجم رجال الحدیث ج 16، ص 16:

(محمد بن احمد بن علی: اس عنوان سے یہ شخص سولہ مواقع پر مختلف روایات کے اسناد میں ذکر ہوا ہے۔ اس نے حسین بن یزید، عبد اللہ بن صلت، اور عبد اللہ بن صلت ابو طالب سے روایت کی ہے۔ اور ان سب روایات میں علی بن الحسین نے ان [محمد بن احمد بن علی] سے روایت کی ہے۔ پھر شیخ نے اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسین سے روایت کی، محمد بن احمد بن علی سے اور عبد اللہ بن الصلت سے۔ یہ روایات "التہذیب" ج 1، باب " تلقین المحتضرین" کی اضافات، حدیث 1434 میں آئی ہے اور "الاستبصار" ج 1، باب "الرجل یموت فی السفر ولیس معہ رجل..." حدیث 719 میں بھی آئی ہے۔ لیکن اس میں محمد بن احمد، علی سے، کی جگہ محمد بن احمد بن علی ذکر کیا گیا ہے، اور صحیح وہی ہے جو "التہذیب" میں ہے، کیونکہ دیگر روایات کی بنا پر یہی درست ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ محمد بن احمد بن علی بن لصلت ہیں، جیسے کہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔)

اور ایک اور مقام پر کہا:

(محمد بن احمد = محمد بن احمد القمی، ابن علی بن الصلت: انہوں نے ابو طالب عبد اللہ بن صلت سے روایت کی ہے، اور ان سے علی بن حسین بن بابویہ نے روایت کی ہے۔ صدوق نے "المشیخۃ" میں عیسیٰ بن إعیَن تک اپنی سند میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور صدوق (قدس سرہ) نے "کمال الدین" کے خطبے میں کہا: "میرے والد (رضی اللہ عنہ) ان (محمد بن احمد) سے روایت کرتے تھے، اور ان کے علم، عمل، زہد، فضل اور عبادت کی تعریف کیا کرتے تھے۔" انہوں نے اپنے چچا عبد اللہ بن الصلت سے روایت کی ہے، اور ان (محمد بن احمد) سے، علی بن حسین نے روایت کی ہے۔ (المجالس: مجلس 17، حدیث 7)۔

عبد اللہ بن صلت سے روایت کی گئی ہے، اور علی بن حسین نے اُن سے روایت نقل کی ہے. تہذیب الأحکام: جلد 3، باب نمازِ میّت، حدیث 979؛ اور الاستبصار: جلد 1، باب میّت پر تکبیرات کی تعداد، حدیث 1835. البتہ الاستبصار میں "محمد بن احمد بن الصلت" آیا ہے، جو غالباً جد (دادا) کی طرف نسبت دینے کے اعتبار سے ہے اور تہذیب: جلد 3، باب نمازِ میّت، حدیث 1008 اور الاستبصار: جلد 1، باب مرد و عورت

کے جنازوں کی ترتیب، حدیث 1825 اور ان روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں: علی بن حسین بن بابویہ، نے محمد بن احمد بن الصلت سے۔[1]

اور اس سے یقینی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان تمام موارد میں [علی بن الحسین] جو بلا کسی جد، لقب یا نسبت کے ذکر ہوا ہے، وہ ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق (رحمہ اللہ) کے والد ہیں۔

10. جلد 1، حدیث 967، صفحہ 330: علی بن الحسین، محمد بن یحییٰ سے... آخر تک.

11. جلد 1، حدیث 995، صفحہ 339: علی بن الحسین، محمد بن یحییٰ سے... آخر تک.

12. جلد 3، حدیث 449، صفحہ 195: علی بن الحسین، محمد بن احمد بن یحییٰ سے ... آخر تک.[2]

13. جلد 1، حدیث 1503، صفحہ 461: علی بن الحسین، محمد بن الحسین بن ابی الخطاب سے، وہ علی بن اسباط سے، وہ علی بن جعفر سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: (میں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے قبر پر عمارت بنانے، اس پر بیٹھنے کے بارے میں پوچھا، کیا یہ درست ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: قبر پر نہ عمارت بنانا درست ہے، نہ اس پر بیٹھنا، نہ اسے پلستر کرنا اور نہ ہی اس پر مٹی لگانا).

یہ روایت اپنی سند کے ساتھ شیخ طوسی نے بعینہٖ الاستبصار میں ذکر کی ہے، لیکن اس طرح: علی بن الحسین، محمد بن یحییٰ سے، محمد بن الحسین بن ابی الخطاب سے... آخر تک. اور یہ واضح کیا ہے کہ "علی بن الحسین" سے مراد ابن بابویہ (علی بن الحسین بن بابویہ قمی) ہیں۔ اور یہ ہے الاستبصار میں مذکور اصل عبارت:

الاستبصار، جلد 1، صفحہ 217، حدیث 767:

(مجھے شیخ (رحمہ اللہ) نے ابو جعفر بن علی سے، اُنہوں نے اپنے والد سے، اُنہوں نے محمد بن یحییٰ سے، اُنہوں نے محمد بن الحسین بن ابی الخطاب سے، اُنہوں نے علی بن اِسباط سے، اُنہوں نے علی بن جعفر سے روایت کی۔ علی بن جعفر نے کہا: میں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا کہ کیا قبر پر عمارت بنانا یا اُس پر بیٹھنا جائز ہے؟ فرمایا: قبر پر نہ عمارت بنانا درست ہے، نہ اس پر بیٹھنا، نہ اسے پلستر کرنا اور نہ ہی اس پر مٹی لگانا). اسی طرح حرّ عاملی نے بھی یہ روایت محمد بن یحییٰ کے واسطے سے نقل کی ہے۔[3]

اور اس کے علاوہ دو اور موارد بھی ہیں۔

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 16، ص 18

[2] - لیکن وسائل الشیعۃ میں اس طرح ہے: علی بن الحسین، محمد بن یحییٰ سے، اور وہ احمد بن محمد بن یحییٰ سے ... اور یہی روایت دیگر روایات کے قرینے سے درست ہے۔ رجوع کریں: وسائل الشیعۃ (آل البیت)، حر عاملی، ج 3، ص 94، حدیث نمبر 3116.

[3] - رجوع کریں وسائل الشیعۃ (آل البیت)، حر عاملی، ج 3، ص 210، حدیث نمبر 3426.

اور محمد بن یحییٰ سے مراد محمد بن یحییٰ العطار ہے، جو علی بن الحسین بن بابویہ قمی کے شیخ (استاد) ہیں، اور جن سے وہ بہت زیادہ روایت کرتے ہیں... لہٰذا ان روایات میں [علی بن الحسین] کا عنوان کسی اور کی طرف منصرف نہیں ہوتا (رجوع نہیں کرتا)، خاص طور پر جب ہم وہ تمام دلائل مد نظر رکھیں جو پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں اور وہ جو آگے ان شاء اللہ ذکر ہوں گے۔

14. ج 1 ح 1447 ص 447: علی بن الحسین، عبد اللہ بن جعفر سے، إبراہیم بن مہزیار سے... و غیرہ اور اس کے علاوہ دو اور موارد ہیں۔

اور عبد اللہ بن جعفر سے مراد عبد اللہ بن جعفر الحمیری ہے، جو علی بن الحسین بن بابویہ کے شیخ (استاد) ہیں۔

الحر العاملی نے بھی یہی سند اور یہی روایت ذکر کی ہے، اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ [علی بن الحسین] سے مراد ابن بابویہ القمی ہی ہے۔ یہ رہا نص (متن) جو الحر العاملی نے نقل کیا ہے:

وسائل الشیعۃ آل البیت ج 2 ص 486 ح 2708:

(محمد بن الحسن نے اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسین سے، یعنی ابن بابویہ، عبد اللہ بن جعفر سے، ابراہیم بن مہزیار سے، ان کے بھائی علی بن مہزیار سے، فضالہ بن ایوب سے، قاسم بن برید سے، محمد بن مسلم سے، اور ابو جعفرؑ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میت کو غسل دینا جنابت کے غسل کی طرح ہے، اور اگر اس کے بال زیادہ ہوں تو اس پر تین بار پانی ڈالو).

پھر، [علی بن الحسن] اکیلا (بغیر کسی قید یا اضافے کے)، اور وہ جو عبد اللہ بن جعفر سے روایت کرتا ہے شیخ طوسی کی کتابوں میں، وہ ابن بابویہ قمی ہے، کوئی اور نہیں۔

15. ج 1 ح 1477 ص 453: پھر وہ جو علی بن الحسن نے روایت کیا، علی بن موسی سے، احمد بن محمد سے، حسین سے، اس نے کہا: میں نے اُن (امام کو) لکھ کر پوچھا: میّت کے تختے کو اٹھاتے وقت، کیا اس کے کسی خاص طرف سے اٹھانے کی ابتدا کرنی چاہیے (اس کے چاروں طرفوں میں سے کسی مخصوص جانب سے)، یا پھر جو طرف مرد کو آسان لگے، وہیں سے اٹھا سکتا ہے؟ تو امام نے جواب لکھا: جس طرف سے چاہے، اٹھا سکتا ہے۔

اور علی بن موسی یہاں کمندانی ہیں، جو علی بن الحسین بن بابویہ کے استاد ہیں، لہٰذا یہاں [علی بن الحسین] یقینی طور پر ابن بابویہ ہی ہیں، کیونکہ کچھ علماء نے اس بات کو واضح کیا ہے جب انہوں نے اسی روایت اور سند سے استدلال کیا۔ ان میں سے ایک محقق بحرانی ہیں، جنہوں نے کہا: (... حالانکہ ابن بابویہ

نے صحیح طریقے سے حسین بن سعید سے روایت کی ہے: اس نے ابو الحسن الرضاؑ کو لکھا کہ میّت کے تختے کو اٹھاتے وقت، کیا اس کے کسی خاص طرف سے اٹھانے کی ابتدا کرنی چاہیے (اس کے چاروں طرفوں میں سے کسی مخصوص جانب سے)، یا پھر جو طرف مرد کو آسان لگے، وہیں سے اٹھا سکتا ہے؟ تو امام نے جواب لکھا: جس طرف سے چاہے، اٹھا سکتا ہے).[1]

اور حر العاملی نے کہا: (محمد بن علی بن حسین نے اپنی سند سے حسین بن سعید سے روایت کی ہے کہ اس نے ابو الحسن الرضا ؑ سے سوال کیا تھا کہ میّت کے تختے کو اٹھاتے وقت، کیا اس کے کسی خاص طرف سے اٹھانے کی ابتدا کرنی چاہیے (اس کے چاروں طرفوں میں سے کسی مخصوص جانب سے)، یا پھر جو طرف مرد کو آسان لگے، وہیں سے اٹھا سکتا ہے؟ تو امام نے جواب لکھا: جس طرف سے چاہے، اٹھا سکتا ہے).[2]

یعنی شیخ محمد صدوق یہ روایت اپنے والد علی بن حسین کے ذریعے، اپنی سند کے ساتھ حسین بن سعید تک نقل کرتے ہیں... اور یہ بات بالکل واضح اور آشکار ہے۔

محقق خوئی نے اپنے معجم میں ذکر کیا ہے کہ علی بن موسی الکمندانی، علی بن حسین بن بابویہ کے شیخ (استاد) ہیں، اور شیخ صدوق اپنے والد سے، علی بن موسی الکمندانی سے روایت کرتے ہیں...[3]

16. اور [علی بن الحسین] نے "تہذیب" میں "سعد بن عبداللہ" سے گیارہ (11) مقامات پر مجرداً (بغیر کسی اضافی وصف کے) روایت نقل کی ہے، اور "احمد بن ادریس" سے چار مقامات پر۔ اور یہ دونوں "ابن بابویہ قمی" کے مشائخ (اساتذہ) میں سے ہیں، جن سے وہ بہت زیادہ روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں [علی بن الحسین] سے مراد صرف "ابن بابویہ" ہی ہے، کوئی اور نہیں... اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

باقی یہ ہے کہ ہم اُن اسناد کا ذکر کریں جن میں [علی بن الحسین] مجرداً (بغیر کسی اضافے کے) آیا ہے، لیکن ان سے مراد ابن بابویہ نہیں ہے۔ ایسی صورتیں یا تو تصحیف (یعنی کتابت کی غلطی) ہیں، اور درست صورت [علی بن الحسن] ہے، یا پھر یہ نام بغیر اضافے کے اس لیے آیا ہے کہ وہاں کوئی قرینہ (سیاق و سباق یا خارجی دلیل) موجود ہے جو اس کو ابن بابویہ سے ہٹا کر کسی اور کی طرف لے جاتی ہے... اور ممکن ہے شیخ طوسی

---

[1] - الحدائق الناضرة، بحرانی، ج4، ص96.

[2] - وسائل الشیعة (آل البیت)، حر عاملی، ج3، ص155، حدیث نمبر 3273.

[3] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج13، ص202، حدیث نمبر 8545، اور ج13، ص205، حدیث نمبر 8548.

(رحمہ اللہ) نے بھی ایسی جگہوں پر اسی قرینہ صارفہ (ایسا قرینہ «دلیل، سیاق، راوی، زمانہ، واسطہ، یا سند کا انداز» جو معنی کو اصل فہم سے "موڑ" دے) کی موجودگی کی وجہ سے "علی بن الحسین" کو مجرداً (بغیر کسی اضافے کے) ذکر کیا ہو، یعنی وہ [علی بن الحسین بن بابویہ] کے ساتھ مشترک (مشابہ) نہ ہو، "مثلاً یہ کہ وہ راوی جس سے [علی بن الحسین] یہاں بغیر کسی اضافے کے (یعنی مجرداً) روایت کر رہا ہے، ابن بابویہ کے مشائخ (اساتذہ) میں سے نہ ہو، یا ابن بابویہ اس سے صرف ایک واسطے یا دو واسطوں کے ذریعے روایت کرتے ہوں (براہِ راست نہیں کرتے ہوں).

چنانچہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب [علی بن الحسین] کا عنوان بغیر کسی اضافے کے ذکر ہو، اور وہ ابن بابویہ کے طبقے میں ہو نیز ابن بابویہ کے مشائخ (اساتذہ) سے روایت کر رہا ہو... تو اس سے مراد صرف [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] ہی ہوتا ہے اور اس حالت میں کوئی دوسرا راوی اس عنوان کے ساتھ مجرداً ذکر نہیں کیا جاتا۔

اب ہم ان موارد کا ذکر کرتے ہیں:

1. جلد 3، حدیث 232، صفحہ 72: علی بن حاتم، علی بن الحسین سے، احمد بن ابی عبداللہ سے، حسن بن محبوب سے... آخر تک.
2. جلد 3، حدیث 243، صفحہ 86: علی بن حاتم، علی بن الحسین سے، احمد بن ابی عبداللہ سے، ان کے والد سے... آخر تک.
3. جلد 3، حدیث 247، صفحہ 88: علی بن حاتم، علی بن الحسین سے، احمد بن ابی عبداللہ سے، ان بعض افراد سے جن سے اس نے روایت کی ... آخر تک.

اور ان تینوں اسناد میں [علی بن الحسین] سے مراد واضح طور پر ابن بابویہ نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اس کے ساتھ مشترک ہے، کیونکہ وہاں ایک قرینہ صارفہ موجود ہے جو اسے ابن بابویہ ہونے سے ہٹا دیتا ہے۔ اس لیے کہ ابن بابویہ نے [احمد بن ابی عبداللہ] یعنی برقی سے بلا واسطہ[1] روایت نہیں کی۔ پھر ابن بابویہ عموماً احمد بن ابی عبداللہ سے سعد بن عبداللہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ ابن بابویہ، علی بن الحسین سعد آبادی، عبداللہ بن جعفر حمیری، اور محمد بن احمد بن علی بن الصلت کے ذریعے بھی اس (احمد بن ابی عبداللہ) سے روایت کرتے ہیں.

---

[1] - یہ شیخ صدوق کی کتابوں (خصال، ثواب الاعمال، کمال الدین، علل الشرائع، من لایحضرہ الفقیہ اور دیگر کتابوں)، نیز شیخ طوسی کی تہذیب اور استبصار، اور دیگر کتابوں کے تفصیلی مطالعہ کا نتیجہ ہے.

تو پھر اس طرح کے مواقع پر [علی بن الحسین] کا اطلاق واضح طور پر ابن بابویہ سے غیر متعلق ہے، اور یہ ابن بابویہ قمی کے ساتھ نہ تو متشابہ ہوگا اور نہ مشترک۔ اس بات کی مزید وضاحت یہ ہے کہ شیخ طوسی نے مشیخۃ التہذیب اور الاستبصار میں [احمد بن ابی عبد اللہ] تک اپنی سندوں میں یہ ذکر نہیں کیا کہ ابن بابویہ براہ راست اس سے روایت کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے ذکر کیا کہ علی بن الحسین سعد آبادی براہ راست [احمد بن ابی عبد اللہ] سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے علی بن الحسین سے مراد ان تین اسناد میں جو گذر چکا، سعد آبادی ہو سکتے ہیں یا شاید نحوی، نہ کہ ابن بابویہ قمی۔ یہاں شیخ طوسی کے مشیخہ میں کہے گئے الفاظ کا متن دیا گیا ہے۔

تہذیب الأحکام ج 10 ص 85:

(اور جو کچھ میں نے احمد بن ابی عبد اللہ البرقی کے بارے میں ذکر کیا ہے، وہ مجھے شیخ ابو عبد اللہ نے بتایا، ابو الحسن احمد بن محمد بن حسن بن ولید سے، ان کے والد سے، سعد بن عبد اللہ سے، اس (احمد بن ابی عبد اللہ البرقی) سے اور شیخ نے مجھے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن بابویہ کے بارے میں بھی بتایا، اُن کے والد سے اور محمد بن حسن بن ولید، سعد بن عبداللہ اور حسین کے واسطے سے، احمد بن ابی عبداللہ سے اور مجھے یہ (روایت) حسین بن عبید اللہ نے بھی بیان کی، احمد بن محمد زراری سے، اُنہوں نے علی بن حسین آبادی سے، اور اُنہوں نے احمد بن ابی عبداللہ سے).

الاستبصار ج 4 ص 339:

(اور جو کچھ میں نے احمد بن ابی عبداللہ برقی سے نقل کیا ہے، تو میں نے اسے شیخ مفید ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے، اُنہوں نے ابو الحسن احمد بن محمد بن حسن بن ولید سے، اُنہوں نے اپنے والد سے، اور اُنہوں نے سعد بن عبداللہ سے، اور وہ (سعد) احمد بن ابی عبداللہ سے (روایت کرتے ہیں)؛ اور مجھے یہ بھی شیخ مفید ابو عبداللہ نے خبر دی، اُنہوں نے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن بابویہ سے، اُن کے والد (رحمہما اللہ) اور محمد بن حسن بن ولید کے واسطے سے، سعد بن عبداللہ سے اور (عبد اللہ بن جعفر) حمیری کے ذریعے، احمد بن ابی عبداللہ سے (روایت کرتے ہیں)؛ اور مجھے یہ بھی حسین بن عبید اللہ نے خبر دی، احمد بن محمد زراری سے، اُنہوں نے علی بن حسین سعد آبادی سے، اور اُنہوں نے احمد بن ابی عبداللہ سے (روایت کی)).

اسی طرح اس نے یہ بات الفہرست کی صفحہ 62 تا 64، نمبر 65 کے تحت بھی کہی ہے۔

اور گزشتہ بیان سے ہم جانتے ہیں کہ شیخ طوسی کا [علی بن الحسین] کا مجرد ذکر کرنا، ان موارد میں، علی بن الحسین بن بابویہ کے ساتھ اشتراک نہیں رکھتا، کیونکہ قرینہ صارفہ موجود ہے، اور وہ یہ کہ ابن بابویہ [احمد بن ابی عبداللہ برقی] سے روایت نہیں کرتا، بلکہ احمد بن ابی عبداللہ، ابن بابویہ کے اساتذہ میں سے ایک استاد

کے استاد ہیں اور کم از کم یہ کہ شیخ طوسی کی اسانید یا روایات میں ابن بابویہ کی احمد بن ابی عبداللہ سے براہِ راست کوئی روایت موجود نہیں، اور یہی کافی اور مکمل ہے۔

4. جلد 7، حدیث 1032، صفحہ 236: احمد بن محمد، (روایت کرتے ہیں) علی بن الحسین سے، وہ جعفر بن بکر سے، وہ عبداللہ بن ابی سَہل سے، وہ حماد سے، وہ عبدالکریم سے؛ عبدالکریم نے کہا: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: فرماں بردار بیوی، نیک اولاد، اور وہ مرد جس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو، جو اپنے اہل کی طرف صبح جائے اور شام کو واپس آئے)

اور [علی بن الحسین] اس سند میں تحریف شدہ ہے، اور صحیح [علی بن حسن تیمی] ہے، نہ کہ ابن بابویہ، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شیخ کلینی نے یہی روایت اسی سند کے ساتھ [علی بن حسن تیمی] کے لفظ سے نقل کی ہے:

احمد بن محمد، علی بن حسن تیمی سے، وہ جعفر بن بکر سے، وہ عبداللہ بن ابی سہل سے، وہ عبداللہ بن عبد الکریم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: امام ابو عبداللہؑ نے فرمایا: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: فرماں بردار بیوی، نیک اولاد، اور وہ مرد جس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو، جو اپنے اہل کی طرف صبح جائے اور شام کو واپس آئے).[1]

بلکہ حرّ عاملی نے وسائل الشیعۃ میں یہی روایت اور سند اسی طرح ذکر کی ہے، لیکن [علی بن الحسن التیمی] کے لفظ کے ساتھ:

وسائل الشیعہ (آل البیت)، جلد 17، صفحات 243–244، حدیث نمبر 22436:

اور ان سے، احمد بن محمد سے، علی بن حسن تیمی سے، جعفر بن بکر سے، عبداللہ بن ابی سہل سے، عبداللہ بن عبدالکریم سے روایت ہے، انہوں نے کہا: امام ابو عبداللہؑ نے فرمایا: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: فرماں بردار بیوی، نیک اولاد، اور وہ مرد جس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو، جو اپنے اہل کی طرف صبح جائے اور شام کو واپس آئے).

اور محقق خوئی نے ان اسانید کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اور واضح کیا ہے کہ صحیح نام [علی بن الحسن التیمی] ہے، نہ کہ ابن الحسین۔ اور اب میں ان کے کلام کو خاص اسی روایت کی سند کے متعلق بیان کرتا ہوں جس کے ہم اس وقت زیرِ بحث ہیں:

---

[1] - الکافی، کلینی، ج 5، ص 258.

(... تہذیب: جلد 7، باب الزیادات من الاِجارات، حدیث 1032۔ اور کافی: جلد 5، کتاب المعیشۃ 2، باب خوش بختی یہ ہے کہ انسان کی روزی اس کے اپنے شہر میں ہو، حدیث 122، نمبر 2۔ اس میں "علی بن الحسین الیَتَمی" آیا ہے، جب کہ صحیح "علی بن الحسن التیمی" ہے، جیسا کہ "الوافی" میں ہے، اگرچہ تہذیب اور کافی کے قدیم نسخوں میں بھی یہی ہے جیسے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں...)۔ [1]

بلکہ محقق خوئی کے کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تہذیب میں بھی [علی بن الحسین] مجرد (تنہا) ذکر نہیں ہوا تھا، بلکہ اس کے ساتھ اس کا لقب [التیمی] بھی تھا، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ موجودہ نسخوں سے یہ لقب ساقط ہو گیا ہے (یعنی گرا دیا گیا ہے یا رہ گیا ہے)۔

اور بہر حال، یہ شخص، ابن بابویہ کے ساتھ نام کے لحاظ سے بھی مشترک نہیں ہے، کیونکہ وہ [علی بن الحسن] ہیں، نہ کہ ابن الحسین، بلکہ وہ اپنے لقب [التّیمی] کے ساتھ مقید ہے، اور کم از کم اتنا اختلاف کہ نام میں فرق ہے، ہمارے خلاف احتجاج (دلیل) کے قابل نہیں بناتا۔

5. ج9، ح779، ص194: علی بن الحسین، محمد بن الولید سے، یونس بن یعقوب سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو عبد اللہؑ نے وصیت کی، تو ان کے بعض اہلِ خانہ (قریبی رشتہ داروں) نے کہا: (آپ نے تو تہائی سے زیادہ وصیت کی ہے تو آپؑ نے فرمایا: میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ میرے تہائی میں سے اتنا اور اتنا باقی ہے، اور وہ (حصہ) محمد بن اسماعیل کے لیے ہے)

اور یہاں بھی [علی بن الحسین] میں اختلاف ہے، بلکہ وہ یقینی طور پر [علی بن الحسن] ہیں، اور جو کچھ تہذیب میں آیا ہے وہ تحریف شدہ ہے، جیسا کہ محقق خوئی نے متعدد مواقع پر واضح کیا ہے۔ اب میں ان کا کلام بیان کرتا ہوں جس میں انہوں نے اسی روایت کی سند کے بارے میں وضاحت کی ہے جس پر ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں:

(شیخ نے اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے: علی بن الحسین سے، محمد بن ولید سے، یونس بن یعقوب سے، امام جعفر صادقؑ سے۔ التہذیب، جلد 9، باب الوصیت بالثلث، حدیث 779 . پھر فرمایا: عنہ (ان علی بن الحسین سے)، علی بن اسباط سے، علاء بن رزین القلاء سے، (حدیث 780)، اور ظاہر ہے کہ ضمیر "عنہ" کا مرجع علی بن الحسین ہے۔ لیکن "الاستبصار" جلد 4، باب: یہ کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، حدیث 454) میں یہ سند یوں آئی ہے: علی بن الحسن، علی بن اسباط سے، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ دیگر

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، صفحات 383-384، حدیث نمبر 8048.

روایات کی قرائن اس کی تائید کرتی ہیں۔ لہٰذا علی بن الحسین جو کہ تہذیب کی پچھلی روایت میں آیا ہے، وہ محرف (غلط نقل شدہ) ہے اور صحیح علی بن الحسن ہے اور یہاں سے "عنہ؛ ان سے" کے قول میں تحریف ہونے کا احتمال ظاہر ہوتا ہے، ان روایات میں جو اس روایت کے بعد التہذیب اور الاستبصار میں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ روایات درج ذیل ہیں: عنہ، احمد بن الحسن سے اپنے والد سے" (حدیث 781 ،التہذیب، و 455 ،الاستبصار)، "وعنہ، عمرو بن عثمان سے" (حدیث 782 ،التہذیب، و546 ،الاستبصار)، "وعنہ، محمد بن علی سے" (حدیث 783 ،التہذیب، و 457 ،الاستبصار)، "وعنہ، جعفر بن محمد بن نوح سے" (حدیث 784 ،التہذیب، و458 ،الاستبصار)، پس تمام ضمائر "عنہ" وغیرہ سب علی بن الحسن کی طرف لوٹتی ہیں، جیسا کہ الاستبصار میں بھی ہے).[1]

اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نام میں تحریف ہوئی ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، نہ کہ ابن الحسین؛ لہٰذا تجرد (یعنی جب یہ نام اکیلا آئے) تو یہ [علی بن الحسین بن بابویہ] کے ساتھ مشترک نہیں ہوگا۔

اور اس کی مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ حر عاملی نے یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے، لیکن [علی بن الحسن] کے لفظ کے ساتھ، نہ کہ [علی بن الحسین] کے ساتھ۔

وسائل الشیعۃ آل البیت، ج19 ، ص274 ، ح24579:

اور اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسن سے، محمد بن الولید سے، یونس بن یعقوب سے: (جب امام ابو عبد اللہؑ نے وصیت کی، تو ان کے بعض اہل نے کہا: آپ نے تو ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی ہے۔ فرمایا: میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ میرے ایک تہائی میں سے اتنا اتنا باقی ہے، اور وہ محمد بن اسماعیل کے لیے ہے).

تو پھر نام صحیح نہیں ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، لہٰذا جو کچھ میں نے پیش کیا ہے، اس کی نقض (رد) کرنا مناسب نہیں ہے۔

6. ج10، ح609 ، ص152: عنہ (ان سے) یعنی محمد بن احمد بن یحییٰ، ابی عبد اللہ سے، علی بن الحسین سے، حماد بن عیسی سے، جعفر بن محمد سے، اپنے والد سے، عن علیؑ سے؛ انہوں نے فرمایا: (مجنون پر کوئی حد نہیں ہے جب تک کہ وہ ہوش میں نہ آ جائے، اور بچے پر کوئی حد نہیں ہے جب تک کہ وہ بلوغ کی عمر تک نہ پہنچے، اور نیند میں غرق شخص پر بھی کوئی حد نہیں ہے جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے).

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج12 ، ص383 - 384 ، حدیث نمبر 8048.

[علی بن الحسین] ابن بابویہ کے ساتھ مشترک نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ وہ [حماد بن عیسی] سے روایت کرتا ہے... اور حماد بن عیسی امام جوادؑ کے زمانے میں 209 یا 208 ہجری میں وفات پا چکے ہیں، اور وہ امام صادقؑ، امام کاظمؑ اور امام رضاؑ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن بابویہ کا زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ امام حسن عسکریؑ[1] کے عہد کو پا چکے ہوں... پس یہ ایک قطعی قرینہ صارفہ (وہ قرینہ جو کسی شے کو اس کے اصل معنی یا حالت سے ہٹا دیں) ہے جو [علی بن الحسین] کے اس سند میں [علی بن الحسین بن بابویہ] سے مشابہت یا اختلاط یا مشابہت کو رد کرتا ہے۔

پھر یہ کہ ابن بابویہ کے اساتذہ [احمد بن محمد بن یحییٰ] سے روایت کرتے ہیں، تو پھر آخر کار یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ابن بابویہ سے [ابو عبداللہ] کے ذریعے روایت کریں؟!!!

جو کچھ آگے بیان کیا گیا ہے، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ [علی بن الحسین] ابن بابویہ سے مراد نہیں ہو سکتا، اور یہ بدیہی طور پر واضح ہے کہ وہ ان سے مختلف ہے... لہٰذا یہ ان کے ساتھ مشترک نہیں ہو سکتا۔

اور اس طرح ہم نے تمام موارد کو بیان کر دیا ہے جن میں [علی بن الحسین] مجرداً (کسی اضافہ چیز کے بغیر) ذکر کیا گیا ہے، اور وہ تمام التہذیب کی اسناد میں ہیں جو شیخ طوسی نے ذکر کی ہیں، اور ہم نے ثابت کیا کہ ان تمام میں [علی بن الحسین بن بابویہ] مراد ہیں، سوائے چھ موارد کے، جن میں [ابن بابویہ] سے مراد نہیں ہے، اور یہ ان قرائن سے واضح ہے جو میں نے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں۔

اور یہ کافی ہے اس بات کے ثبوت کے لیے کہ جب شیخ طوسی اپنی اسناد میں [علی بن الحسین] کا مجرداً ذکر کرتے ہیں تو وہ صرف ابن بابویہ مراد لیتے ہیں، اور جب وہ کسی دوسرے شخص کو مراد لیتے ہیں جس کے ساتھ یہ اختلاط ہو سکتا ہے، تو وہ اس کے ساتھ لقب، نسبت، جد یا کنیت ذکر کرتے ہیں تاکہ اسے ابن بابویہ سے ممتاز کر سکیں۔

الاستبصار، شیخ طوسی کی کتاب:

اور اس میں بات بالکل ویسی ہی ہے جیسے کتاب التہذیب میں ہے، [علی بن الحسین] کا ذکر (18) مواقع پر آیا ہے، اور ان میں وہ ابن بابویہ کے مشہور اساتذہ (سعد بن عبداللہ، احمد بن ادریس، محمد بن احمد بن علی بن الصلت، عبداللہ بن جعفر حِمیَری، اور علی بن موسی کمیدانی) سے روایت کرتے ہیں۔

---

[1] - رجال النجاشی، ص 142، نمبر 370، حماد بن عیسی کا ترجمہ.

اور اس سے پہلے بات ہو چکی ہے کہ [علی بن الحسین] جو ان اساتذہ سے روایت کرتا ہے وہ [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] ہے، لہٰذا دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب بات یہ باقی ہے کہ میں چار موارد کے بارے میں بات کروں جو الاستبصار میں [علی بن الحسین] کے لفظ کے ساتھ مجرداً (اکیلا) ذکر ہوئے ہیں، لیکن یہ تمام تحریف شدہ ہیں اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، اس لیے یہ ہمارے ذکر کیے گئے موضوع سے باہر ہیں، اور یہ درج ذیل ہیں:

1. جلد 1، ح 487، صفحہ 142: پھر جو کچھ علی بن الحسین نے محمد بن ربیع سے، سیف بن عمیرہ سے، منصور بن حازم سے اور ابو عبداللہؑ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: (اگر حائضہ عورت عصر سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھے، اور اگر عصر کے آخری وقت میں پاک ہو تو عصر کی نماز پڑھے).

اور یہاں [علی بن الحسین] کا نام تحریف شدہ ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، اس دلیل کے ساتھ کہ بعینہٖ یہی روایت اور اس کی سند، تہذیب میں [علی بن الحسن] کے نام سے آئی ہے، جیسا کہ درج ذیل ہے:

تہذیب الأحکام، شیخ الطوسی، جلد 1، صفحہ 390، حدیث نمبر 1201:

چنانچہ وہ روایت جو علی بن الحسن نے محمد بن ربیع سے، اور سیف بن عمیرہ سے، اور منصور بن حازم سے، اور انہوں نے امام ابو عبداللہؑ سے نقل کی، اس میں فرمایا: (اگر حائضہ عورت عصر سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھے، اور اگر عصر کے آخری وقت میں پاک ہو تو عصر کی نماز پڑھے).

بلکہ اسی روایت کے فوراً بعد، شیخ طوسی نے بعینہٖ یہی روایت اُسی سند کے ساتھ دوبارہ ذکر کی، اور اس بار علی بن الحسن کے نام میں اس کے جد کا نام [بن فضالؒ] بھی اضافہ کیا، اس طرح:

اور وہ روایت جو علی بن الحسن بن فضال نے محمد بن ربیع سے نقل کی، اس نے کہا: مجھے سیف بن عمیرہ نے منصور بن حازم کے واسطے سے امام ابو عبداللہؑ سے روایت کی، آپؑ نے فرمایا: (اگر حائضہ عورت عصر سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھے، اور اگر عصر کے آخری وقت میں پاک ہو تو عصر کی نماز پڑھے).

اور اس سے قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں [علی بن الحسین] میں تحریف ہوئی ہے اور صحیح نام [علی بن الحسن بن فضال] ہے، اور یہی بات محقق خوئی نے اپنے معجم میں اسی روایت کے متعلق قطعی طور پر بیان کی ہے، جس پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں، جہاں انہوں نے فرمایا:

(اور اسی طرح شیخ طوسی اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسن سے، محمد بن الربیع سے روایت کی ہے۔ تہذیب: جلد 1، باب حیض واستحاضہ، حدیث نمبر 1201 اور الاستبصار: جلد 1، باب حائض، حدیث نمبر 487. البتہ

الاستبصار میں (علی بن الحسن) کی جگہ (علی بن الحسین) آیا ہے، جبکہ صحیح وہی ہے جو تہذیب میں ہے، کیونکہ تہذیب میں یہی روایت حدیث نمبر 1202 پر بھی آئی ہے اور وہاں (علی بن الحسن بن فضال) کا ذکر ہے).[1]

2. جلد 1، حدیث 1874، صفحہ 484: جو روایت علی بن الحسین نے احمد بن حسن سے، انہوں نے عمرو بن سعید سے، انہوں نے مصدق بن صدقہ سے، انہوں نے عمار الساباطی سے، اور انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کی، کہ آپؑ نے فرمایا: (میت پر نماز پڑھی جاتی ہے جب تک کہ اسے مٹی میں دفن نہ کیا جائے، اگرچہ اس پر (پہلے) نماز پڑھی جاچکی ہو)۔

اور یہاں بھی [علی بن الحسین] میں تحریف ہوئی ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، کیونکہ یہی روایت اور اسی سند کے ساتھ شیخ طوسی نے التہذیب میں [علی بن الحسن] کے الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

تہذیب الأحکام، جلد 3، صفحہ 334، حدیث 1045:

علی بن الحسن، احمد بن الحسن سے، وہ عمرو بن سعید سے، وہ مصدق بن صدقہ سے، وہ عمار الساباطی سے، وہ امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ: (میت پر نماز پڑھی جاتی ہے جب تک کہ اسے مٹی میں دفن نہ کیا جائے، اگرچہ اس پر (پہلے) نماز پڑھی جاچکی ہو).

بلکہ حر العاملی نے وہی روایت اور وہی سند نقل کی ہے، لیکن [علی بن الحسن بن فضال] کے الفاظ کے ساتھ:

وسائل الشیعة (آل البیت) ج 3 ص 86 ح 3091:

اور شیخ طوسی نے اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسن سے بن فضال سے، احمد بن الحسن سے، عمرو بن سعید سے، مصدق بن صدقہ سے، عمار ساباطی سے، اور ابو عبداللہؑ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: (میت پر نماز پڑھی جاتی ہے جب تک کہ اسے مٹی میں دفن نہ کیا جائے، اگرچہ اس پر (پہلے) نماز پڑھی جاچکی ہو).

اور اسی طرح اس بات کو محقق خوئی نے اپنے معجم میں اس روایت کے بارے میں بیان کیا ہے جو اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع ہے، جہاں انہوں نے کہا:

(اور شیخ طوسی نے اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے، علی بن الحسن سے، احمد بن الحسن سے، تہذیب: ج 3، باب میتوں کے لیے نمازِ جنازہ، حدیث 1045 اور استبصار: ج 1، باب دفن شدہ (شخص) پر نماز (جنازہ)

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، ص 344 - 349، نمبر 8002.

پڑھنا، حدیث 1874۔ مگر اس میں: علی بن الحسین، احمد بن الحسن سے آیا ہے، اور ظاہر طور پر تہذیب میں جو آیا ہے وہ درست ہے).[1]

3. جلد 1، حدیث 1880، صفحہ 485: علی بن الحسین نے عبدالرحمٰن بن ابی نجران سے، سندی بن محمد اور محمد بن الولید سے، یہ سب، عن عاصم بن حمید سے، یزید بن خلیفہ سے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں: (میں ابو عبد اللہؑ کے پاس تھا، پھر ایک قمی شخص نے ان سے سوال کیا: یا ابو عبد اللہ! کیا خواتین جنازہ پر نماز پڑھتی ہیں؟ تو ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: (بے شک رسول اللہؐ اس وقت (ایک موقع پر) تھے جب آپ نے مغیرۃ بن اِبی العاص کا خون مباح (ہدر) قرار دیا تھا، اور آپؐ نے ایک طویل واقعہ بیان فرمایا۔ اور بے شک نبیؐ کی بیٹی زینب کا انتقال ہو گیا، اور فاطمہؑ اپنی خواتین کے ہمراہ باہر آئیں اور اپنی بہن پر نماز (جنازہ) ادا کی).

اور یہاں بھی [علی بن الحسین] میں تحریف ہوئی ہے اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، اس بات کا دلیل یہ ہے کہ شیخ طوسی نے یہی روایت اپنی سند کے ساتھ [علی بن الحسن] کے الفاظ میں التہذیب میں نقل کی ہے۔

تہذیب الاحکام ج3 ص333 - 1043:

علی بن الحسن، عبدالرحمٰن بن ابی نجران اور سندی بن محمد اور محمد بن الولید یہ سب، عاصم بن حمید سے، یزید بن خلیفہ سے، اس نے کہا: (میں ابو عبد اللہؑ کے پاس تھا، پھر ایک قمی شخص نے ان سے سوال کیا: یا ابو عبد اللہ! کیا خواتین جنازہ پر نماز پڑھتی ہیں؟ تو ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: (بے شک رسول اللہؐ اس وقت (ایک موقع پر) تھے جب آپ نے مغیرۃ بن اِبی العاص کا خون مباح (ہدر) قرار دیا تھا، اور آپؐ نے ایک طویل واقعہ بیان فرمایا۔ اور بے شک نبیؐ کی بیٹی زینب کا انتقال ہو گیا، اور فاطمہؑ اپنی خواتین کے ہمراہ باہر آئیں اور اپنی بہن پر نماز (جنازہ) ادا کی)۔

اور یہی بات ہے جس پر محقق خوئی نے یقین کیا ہے اور وہ بھی اسی روایت کے بارے میں جس پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں، اور یہ ہے ان کے کلام کا اصل متن:

(اور شیخ طوسی نے اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسن سے، عبدالرحمٰن بن ابی نجران سے، اور سندی بن محمد اور محمد بن الولید سے بھی روایت کی۔ تہذیب ج 3، باب میتوں کے لیے نمازِ جنازہ، حدیث 1043۔ والاستبصار: ج 1، جنازے پر نماز کے بیان کا باب، جب اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہو، حدیث 1880۔

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، ص 347-344، نمبر 8002.

مگر اس میں: علی بن الحسین ہے، اور صحیح وہی ہے جو تہذیب میں ہے، دیگر روایات کے قرینہ سے۔ اور اسی سے اگلی روایت میں تہذیب واستبصار کی بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔).[1]

4. جلد 3 حدیث 710 صفحہ 196: جو روایت کی ہے علی بن الحسین نے، ایوب بن نوح سے، صفوان سے، ابن یحیٰؒ سے، موسیٰ بن بکر سے، انہوں نے امام ابوالحسنؑ سے، کہ میں نے اُن سے عرض کیا: (آپ کے بعض موالی نے ایک قوم میں نکاح کیا، پھر عورتوں نے دعویٰ کیا کہ ان دونوں کے درمیان رضاعت (دودھ پینے کا رشتہ) ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا: ایک یا دو بار دودھ پینا کچھ حیثیت نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ وہ عورت کرائے کی مستقل دایہ ہو جو بچے کو باقاعدہ دودھ پلانے پر مقرر ہو)

اور یہاں بھی [علی بن الحسین] میں تحریف ہوئی ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، کیونکہ شیخ طوسی نے تہذیب میں یہی روایت اسی سند کے ساتھ [علی بن الحسن] کے لفظ سے نقل کی ہے۔

تہذیب الأحکام، جلد 7، صفحہ 324، حدیث 1335:

علی بن الحسن، ایوب بن نوح سے، وہ صفوان بن یحیٰؒ سے، وہ موسیٰ بن بکر سے، وہ امام ابوالحسنؑ سے روایت کرتے ہیں، میں نے اُن سے عرض کیا: (آپ کے بعض موالی نے ایک قوم میں نکاح کیا، پھر عورتوں نے دعویٰ کیا کہ ان دونوں کے درمیان رضاعت (دودھ پینے کا رشتہ) ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا: ایک یا دو بار دودھ پینا کچھ حیثیت نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ وہ عورت کرائے کی مستقل دایہ ہو جو بچے کو باقاعدہ دودھ پلانے پر مقرر ہو).

بلکہ حر العاملی نے اس روایت کو [علی بن الحسن بن فضال] کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وسائل الشیعۃ (آل البیت)، جلد 20، صفحہ 376–377، حدیث 25867:

اور ان سے، یعنی علی بن الحسن بن فضال سے، ایوب بن نوح سے، صفوان بن یحیٰؒ سے، موسیٰ بن بکر سے، انہوں نے امام ابوالحسنؑ سے، کہ میں نے اُن سے عرض کیا: (آپ کے بعض موالی نے ایک قوم میں نکاح کیا، پھر عورتوں نے دعویٰ کیا کہ ان دونوں کے درمیان رضاعت (دودھ پینے کا رشتہ) ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا: ایک یا دو بار دودھ پینا کچھ حیثیت نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ وہ عورت کرائے کی مستقل دایہ ہو جو بچے کو باقاعدہ دودھ پلانے پر مقرر ہو).

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، ص 344 تا 348، نمبر 8002.

اور اس بات کی مزید تصدیق یہ ہے کہ محقق خویي نے [إیوب بن نوح] سے روایت کرنے والے کسی شخص کا نام [علی بن الحسین] نہیں ذکر کیا، بلکہ صرف یہ ذکر کیا ہے: (.... اور اس سے روایت کی، ... اور علی بن الحسن، علی بن الحسن بن فضال، علی بن الحسن التیمی، علی بن محمد، علی بن مہزیار ....).[1]

بلکہ محقق خویي نے یہ بھی تاکید کی کہ [علی بن الحسن بن فضال] [إیوب بن نوح] سے اکثر روایت کرتے ہیں، حوالہ دیکھیے سابقہ ماخذ۔

اور جو کچھ اوپر ذکر کیا گیا اس کے علاوہ، [إیوب بن نوح] [ابن بابویہ] کے اساتذہ کے استاد میں سے ہیں، اور شیخ طوسی نے اپنی "الفہرست" میں [إیوب بن نوح] تک پہنچنے کا طریقہ ذکر کیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ [علی بن الحسین بن بابویہ] سعد بن عبد اللہ اور الحمیری کا ذریعہ سے [إیوب بن نوح] سے روایت کرتے ہیں:

الفہرست صفحہ 56، نمبر 59:

(إیوب بن نوح بن دراج، ثقہ ہیں۔ ان کی کتابیں، روایات اور مسائل ہیں جو انہوں نے امام علی النقیؑ سے نقل کی ہیں، اور یہ خبر ہمیں ہمارے کئی اصحاب نے پہنچائیں، محمد بن علی بن حسین بن بابویہ سے، ان کے والد سے اور محمد بن حسن سے، جنہوں نے سعد بن عبد اللہ اور الحمیری کے ذریعے ان سے (إیوب بن نوح بن دراج) روایت کی ہے).

اور اس طرح ہم نے بفضل اللہ تعالی شیخ طوسی کی کتاب [التہذیب] اور [الاستبصار] کو مکمل کیا، اور ان دونوں کتابوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ شیخ طوسی جب اپنی اسناد میں [علی بن الحسین] کا مجرداً (اکیلا بغیر لقب یا وصف) ذکر کرتے ہیں تو ان کا مراد [علی بن الحسین بن بابویہ القمی] والد شیخ صدوق ہیں۔

اور اختتام کی بات یہ ہے کہ شیخ طوسی جب کسی شخص سے روایت نقل کرتے ہیں اور اس کا طریق ذکر نہیں کرتے، تو وہ اس طریقے کو اپنی مشیخہ میں [التہذیب] اور [الاستبصار] کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے سنا، وہ [علی بن الحسین] سے شروع کرتے ہیں، اور اپنی مشیخہ میں کسی دوسرے [علی بن الحسین] کا طریق ذکر نہیں کرتے جو [علی بن الحسین بن بابویہ القمی] سے مختلف ہو۔ اگر [علی بن الحسین] وہی نہیں تھے جو ابن بابویہ ہیں یا اگر اس میں کوئی شریک ہوتا تو شیخ طوسی اپنے طریقے کا ذکر ضرور کرتے۔ چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ [علی بن الحسین] وہی ہیں جو [علی بن الحسین بن بابویہ] ہیں، نہ کہ

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 4 ، ص 169 - 172 ، نمبر 1621.

کوئی اور۔ اب آپ کو وہ الفاظ پیش کیے جاتے ہیں جو شیخ طوسی نے اپنی مشیخہ میں [علی بن الحسین] کے بارے میں کہا:

الاستبصار، جلد 4، صفحہ 327:

(اور جو کچھ میں نے محمد بن الحسن بن الولید اور فقیہ علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ (رضی اللہ عنہما) سے نقل کیا ہے، تو مجھے اس کی خبر شیخ مفید ابو عبداللہ نے دی، عماد الدین ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ کے واسطے سے، جنہوں نے یہ اپنے والد (علی بن حسین) اور محمد بن حسن بن ولید (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا).

کتاب الغیبہ، شیخ طوسی:

اب ہم ان مقامات کی طرف آتے ہیں جہاں شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب الغیبہ میں [علی بن الحسین] کا ذکر مجرد (اکیلا، بغیر کسی اضافی وضاحت کے) طور پر کیا ہے، انہی مقامات میں وہ روایت بھی ہے جس میں رسول اللہؐ کی وصیت مقدس کو ان کی وفات کے وقت نقل کیا گیا ہے۔

پھر کتاب الغیبہ میں [علی بن الحسین] کا نام مجرد طور پر صرف دو مقامات پر آیا ہے:

1. وصیت مقدس کی روایت میں، اور اس پر تفصیل سے گفتگو پہلے ہو چکی ہے، لہٰذا اسے دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔

2. صفحہ 263، حدیث 228: (اور ہمیں ایک جماعت نے خبر دی، تلّعکبری سے، احمد بن علی رازی سے، علی بن الحسین سے، اور علی بن الحسین نے ایک ایسے شخص سے روایت کی جس نے کہا کہ وہ قزوین کے رہنے والوں میں سے ہے لیکن اس کا نام ذکر نہیں کیا، اس نے حبیب بن محمد بن یونس بن شاذان صنعانی سے روایت کی، وہ کہتا ہے: میں علی بن ابراہیم بن مہزیار اہوازی کے پاس گیا اور ان سے آل ابو محمدؑ کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہا: اے بھائی! تم نے بہت عظیم امر کے بارے میں سوال کیا ہے....)

اور [احمد بن علی رازی] درحقیقت ابو علی ایادی ہے، اور وہ غیبت صغریٰ کے معاصرین میں سے ہے؛ کیونکہ اس سے [تلّعکبری] روایت کرتے ہیں، جو کہ شیخ صدوق کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور احمد بن علی رازی، ابو جعفر عمری (جو دوسرے سفیر تھے) سے واسطہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں.[1]

---

[1] -الغیبۃ، شیخ طوسی، ص350–308.

اور پہلے یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ شیخ طوسی جب [علی بن الحسین] کو مجرد (یعنی بغیر کسی اضافی تعارف کے) ذکر کرتے ہیں تو ان کی مراد علی بن الحسین بن بابویہ ہوتی ہے۔

لہٰذا، [علی بن الحسین] جس سے [احمد بن علی رازی] روایت کر رہے ہیں، وہ علی بن الحسین بن بابویہ ہی ہیں اور کوئی اور نہیں۔

اور اس بات کی تائید یہ ہے کہ شیخ طوسی نے [علی بن الحسین] کے عنوان سے ابن بابویہ کے علاوہ کسی اور سے کتاب الغیبہ میں روایت کی ہے، لیکن اسے مجرد (اکیلا) ذکر نہیں کیا، جیسا کہ درج ذیل دو سندوں میں ہے۔

1. صفحہ 26، حدیث 6: ہمیں احمد بن عبدون نے سنا اور اُن پر قراءت بھی کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الفرج علی بن الحسین اصفہانی نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے احمد بن عبید اللہ بن عمار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے علی بن محمد نوفلی نے اپنے والد سے حدیث بیان کی ... آخر تک.

پس اس نے اسے کنیت اور لقب کے ساتھ ذکر کیا اور اسے مجرد (یعنی تنہا نام کے ساتھ) ذکر نہیں کیا، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ طوسی کی عادت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ [علی بن الحسین] کو بغیر کسی اضافی لقب کے، ابن بابویہ پر اطلاق کرتے ہیں۔

2. صفحہ 248 – 304: اور جہاں تک محمد بن سنان کا تعلق ہے: تو بے شک اس نے علی بن الحسین بن داود سے روایت کی، اس نے کہا: میں نے امام ابو جعفر ثانیؑ کو محمد بن سنان کے بارے میں خیر کے ساتھ ذکر کرتے سنا، اور وہ فرما رہے تھے: (اللہ اس سے راضی ہو جس سے میں راضی ہوں، پس اُس نے کبھی میری اور نہ ہی میرے والد کی مخالفت کی)۔

اور اس سے ہمیں مزید یقین حاصل ہوتا ہے کہ جب بھی نام [علی بن الحسین] کو مجرداً (یعنی بغیر کسی لقب، کنیت یا اضافی شناخت کے) استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے مراد صرف ابن بابویہ ہوتا ہے، اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ اور جب کسی دوسرے علی بن الحسین کی مراد ہو، تو اسے مجرداً ذکر نہیں کیا جاتا۔ پھر علی بن الحسین بن بابویہ کو کبھی لقب، جد، یا کنیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، اور کبھی صرف اس کے نام اور اس کے والد کے نام پر اکتفا کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اس قدر مشہور ہے کہ سامع کا ذہن فوراً اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور یہ اسلوب کتب رجال اور کتب حدیث میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

امالی شیخ طوسی:

اب ہم شیخ طوسی کی کتاب (الامالی) کی طرف آتے ہیں تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ آیا اس کتاب میں بھی ویسا ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جیسا کہ اُن کی دیگر کتب میں ہے؛ یعنی [علی بن الحسین] کو مجرداً ذکر کیا گیا ہو اور اس سے مراد ابن بابویہ قمی ہی لیا گیا ہو یا نہیں؟

ہم سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں وہ اسناد جن میں [علی بن الحسین] مجرداً ذکر کیا گیا ہے، اور یہ صرف دو مواقع ہیں، اور دونوں میں تحریف ہوئی ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے جیسا کہ آگے وضاحت دی جائے گی۔

1. صفحہ 228 -229، حدیث 402: ہمیں محمد بن محمد نے خبر دی، کہا: مجھے ابوالقاسم عبداللہ بن علی الموصلی نے خبر دی، کہا: مجھے ابوالحسن علی بن حاتم قزوینی نے خبر دی، کہا: ہمیں احمد بن محمد العاصمی نے خبر دی، کہا: ہمیں علی بن الحسین نے العباس بن علی الشامی سے خبر دی، کہا: میں نے امام علی بن موسی الرضاؑ کو یہ فرماتے سنا: (جب بندے نئے گناہ کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے، تو اللہ ان کے لیے ایسی مشکلات پیدا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتے).

اور یہاں [علی بن الحسین] ابن بابویہ کی نسل (طبقہ) سے نہیں ہو سکتا، کیونکہ ابن بابویہ اور اس کے ہم عصر افراد امام رضاؑ سے صرف ایک واسطے سے روایت نہیں کرتے۔ اور اس کے باوجود، یہ نام تحریف شدہ (غلط نقل شدہ) ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، اس دلیل کی بنیاد پر کہ شیخ کلینی نے یہی روایت اسی سند کے ساتھ [علی بن الحسن] کے نام سے نقل کی ہے:

(احمد بن محمد کوفی سے، علی بن حسن میثمی سے، اور انہوں نے عباس بن ہلال شامی -جو امام موسی کاظمؑ کے مولی (کسی قوم یا قبیلے سے وابستہ ہونا؛ غیر عرب لوگ تھے جو کسی قبیلے سے وابستہ ہو جاتے تھے) تھے- سے روایت کی، انہوں نے کہا: میں نے امام رضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا: (جب بندے نئے گناہ کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے، تو اللہ ان کے لیے ایسی مشکلات پیدا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتے)[1].

اور [احمد بن محمد کوفی]، جو شیخ کلینی کی سند میں آیا ہے، وہی [احمد بن محمد عاصمی] ہے جو شیخ طوسی کی کتاب الامالی میں آیا ہے، وہ اصل میں کوفہ کا رہنے والا تھا۔ اس بات کو ملاحظہ کریں: رجال النجاشی (صفحہ 93، نمبر 232)، فہرست شیخ طوسی (صفحہ 73، نمبر 85)، اور معجم رجال الحدیث، سید خوئی (جلد 3، صفحہ 32، نمبر

---

[1] - الکافی، کلینی، ج 2، ص 275 .

807؛ صفحہ 34 تا 35، نمبر 815؛ صفحہ 36، نمبر 821؛ صفحہ 36، نمبر 822؛ صفحہ 74، نمبر 877؛ صفحہ 126 تا 127، نمبر 950). جہاں محقق خوئی نے اس کی حالت کو مختلف عنوانات میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی اتحاد (سب ایک ہی شخص ہونا) کو واضح کیا ہے۔

اور محقق خوئی نے واضح کیا ہے کہ [احمد بن محمد العاصمی] نے [علی بن الحسین] کے عنوان سے کبھی بھی روایت نہیں کی، حتیٰ کہ ایک مورد میں بھی نہیں، بلکہ وہ [علی بن الحسن] اور [علی بن الحسن بن فضال] سے روایت کرتا ہے، اور انہوں نے تحریف واقع ہونے کا یقین ظاہر کیا۔ اور یہ ہے خوئی کا اصل متن:

(اور محمد بن یعقوب نے متعدد موارد میں احمد بن محمد سے، علی بن الحسین کے واسطے سے روایت کی ہے۔ اور یہ احمد بن محمد یا تو احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ ہے یا احمد بن محمد العاصمی۔ اور دونوں نے متعدد موارد میں علی بن الحسن اور علی بن الحسن بن فضال سے روایت کی ہے، اور کبھی بھی علی بن الحسین سے روایت نہیں کی، حتیٰ کہ ایک مورد میں بھی نہیں، پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام موارد میں تحریف واقع ہوئی ہے، اور صحیح نام: علی بن الحسن ہے اور ہم اس کے موارد کو ذکر کرتے ہیں...).[1]

جو کچھ اوپر بیان ہوا، اُس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ شیخ طوسی نے "الامالی" میں اپنی مذکورہ روایت کے سند میں جس [علی بن الحسین] کا ذکر کیا ہے، وہ تحریف شدہ ہے، اور درست نام [علی بن الحسن] ہے اور یہ تحریف شیخ طوسی کی اسناد میں بارہا واقع ہوئی ہے، جیسا کہ محقق خوئی نے اپنی معجم میں کئی مقامات پر اس کی وضاحت کی ہے۔

اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ عنوان نہ نام کے لحاظ سے اور نہ ہی طبقے کے لحاظ سے ابن بابویہ کے ساتھ کوئی اشتراک نہیں رکھتا۔

2. صفحہ 195، حدیث 332: محمد بن محمد نے ہمیں خبر دی، کہا: مجھے ابو بکر محمد بن عمر جعابی نے خبر دی، کہا: ہمیں ابو العباس احمد بن محمد بن سعید نے حدیث بیان کی، کہا: مجھے علی بن حسین نے حدیث بیان کی، کہا: مجھے عباس بن عامر نے احمد بن رزق سے، اور انہوں نے اسحاق بن عمار سے نقل کیا، انہوں نے کہا: (مجھے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے اسحاق! جب تمہارے مال کی زکاۃ کا وقت آتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا: لوگ میرے گھر آتے ہیں اور میں اُنہیں دے دیتا ہوں۔ تو آپؑ نے فرمایا: اے اسحاق! میں تمہیں نہیں

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 2، ص 246.

دیکھتا مگر یہ کہ تم نے مؤمنین کو ذلیل کر دیا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی ولی کو ذلیل کیا، گویا اُس نے میرے ساتھ جنگ کی تیاری کی).

اور اسی طرح اس سند میں [علی بن الحسین] میں تحریف ہوا ہے، اور صحیح نام [علی بن الحسن] ہے، اور اس پر دلیل درج ذیل ہے:

الف. محقق خوئی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ [احمد بن محمد بن سعید] نے [علی بن الحسین] کے عنوان سے کبھی بھی روایت نقل نہیں کی، حتیٰ کہ ایک بھی روایت نہیں۔ محقق خوئی کا یہ قول کچھ پہلے گزر چکا ہے، لہٰذا اُسے ملاحظہ کیا جائے۔ اسی طرح رجوع کریں: اس کی سوانح (یا حالات) جو سید خوئی نے اپنی کتاب معجم رجال الحدیث میں بیان کی ہے. جلد 3، صفحہ 63، نمبر 871۔

ب. حر عاملی نے شیخ طوسی سے یہ ہی روایت ان کے سند کے ساتھ نقل کی ہے لیکن [علی بن الحسین] کے الفاظ میں، اور اس عنوان پر شک و شبہات ہیں، جیسا کہ صاحبِ ہامش (حاشیہ، حوالہ جات) الوسائل نے ذکر کیا ہے۔ یہاں الوسائل کی روایت اور اس کا ہامش (حاشیہ، حوالہ جات) ملاحظہ کریں:

وسائل الشیعہ (آل بیت)، ج 9، ص 315 - 316 - 12109:

(الحسن بن محمد الطوسی نے (اپنے مجالس میں) اپنے والد سے، مفید سے، ابو بکر محمد بن عمر الجعابی سے، ابو العباس احمد بن محمد بن سعید سے، علی بن الحسین سے (1)، عباس بن عامر سے، احمد بن رزق سے، اسحاق بن عمار سے روایت کی، کہا: ابو عبد اللہؑ نے مجھ سے فرمایا: (اے اسحاق! جب تمہارے مال کی زکاۃ کا وقت آتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا: لوگ میرے گھر آتے ہیں اور میں اُنہیں دے دیتا ہوں۔ تو آپؑ نے فرمایا: اے اسحاق! مجھے تم ایسے لگتے ہو جیسے تم نے مؤمنین کو ذلیل کر دیا ہے.... آخر تک).

حاشیہ نمبر 1، صفحہ 316:

(اصل نسخے میں لفظ (الحسین) پر (کذا) کا نشان لگا ہوا ہے، اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح لفظ "الحسن" ہے۔)

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ میرزا نوری نے اسے امالی طوسی سے [علی بن الحسن] کے لفظ کے ساتھ نقل کیا ہے، نہ کہ [علی بن الحسین] کے ساتھ۔

مستدرک الوسائل، جلد 9، صفحہ 105، حدیث 10360:

(اور امالی میں ہے: ابو بکر محمد بن عمر جعابی سے، ابن عقدہ سے، علی بن الحسن سے، عباس بن عامر سے، احمد بن رزق سے، اسحاق بن عمار سے روایت ہے، اس نے کہا: امام ابو عبد اللہؑ نے مجھ سے فرمایا: (اے اسحاق!

جب تمہارے مال کی زکاۃ کا وقت آتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا: لوگ میرے گھر آتے ہیں اور میں اُنہیں دے دیتا ہوں۔ تو آپؑ نے فرمایا: اے اسحاق! مجھے تم ایسے لگتے ہو جیسے تم نے مؤمنین کو ذلیل کر دیا ہے۔ خبر دار! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی ولی کو ذلیل کیا، گویا اُس نے میرے ساتھ جنگ کی تیاری کی).

اور ہمارے پچھلے بیان کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شیخ مفید نے اپنی "امالی" میں یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے، لیکن [علی بن الحسن] کے لفظ کے ساتھ، نہ کہ [علی بن الحسین] کے ساتھ۔:

امالی شیخ مفید، صفحہ 177، حدیث 7:

(انہوں نے کہا: ہمیں ابو بکر محمد بن عمر الجعابي نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو العباس احمد بن محمد بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عباس بن عامر نے احمد بن رزق سے، اسحاق بن عمار سے روایت کی، انہوں نے کہا: امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: (اے اسحاق! جب تمہارے مال کی زکاۃ کا وقت آتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا: لوگ میرے گھر آتے ہیں اور میں اُنہیں دے دیتا ہوں۔ تو آپؑ نے فرمایا: اے اسحاق! مجھے تم ایسے لگتے ہو جیسے تم نے مؤمنین کو ذلیل کر دیا ہے۔ خبر دار! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی ولی کو ذلیل کیا، گویا اُس نے میرے ساتھ جنگ کی تیاری کی).

ج. محقق خوئی نے اپنی معجم میں "العباس بن عامر" کے ترجمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ جس راوی نے اس سے روایت کی ہے وہ [علی بن الحسن] ہے، [علی بن الحسین] نہیں.[1]

پھر جو کچھ پہلے بیان ہوا، اس سے قطع نظر، اس سند میں موجود [علی بن الحسین]، علی بن الحسین بن بابویہ کے طبقے سے نہیں ہے، لہٰذا اُس کے ساتھ کوئی اشتراک نہیں رکھتا۔ بلکہ محقق خوئی نے قطعی طور پر کہا ہے کہ [سعد بن عبداللہ] جو کہ ابن بابویہ کا استاد ہے وہ [العباس بن عامر] سے بلا واسطہ روایت نہیں کر سکتا، تو پھر خود ابن بابویہ [العباس بن عامر] سے بلا واسطہ روایت کیسے کر سکتا ہے؟!!!

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 10، ص 246، حدیث نمبر 6183.

اور یہ ہے محقق خوئی کا اصل متن:

معجم رجال الحدیث، جلد 10، صفحہ 246-247، نمبر 6183:

(العباس بن عامر: ... میں کہتا ہوں: العباس بن عامر القَصَبانی نے عبد الرحیم القصیر سے روایت کی ہے، (جو کہ امام صادقینؑ کے اصحاب میں سے ہیں)، اور شیخ صدوق نے اسے المشیخۃ میں عبد الرحیم القصیر تک اپنی سند میں ذکر کیا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ سعد بن عبداللہ (جو 301 ہجری میں وفات پا گئے) اُس سے بلا واسطہ روایت کرے، لہٰذا نجاشی کے کلام میں واسطہ ساقط (چھوٹ گیا) ہے۔ اور شاید وہ واسطہ ایوب بن نوح یا حسن بن علی کوفی ہے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ شیخ طوسی نے (نمبر 529) کہا ہے: "عباس بن عامر القصبانی کی ایک کتاب ہے، جس کی ہمیں خبر دی ابو عبداللہ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) نے، محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ سے، اپنے والد سے، عبداللہ بن جعفر الحمیری سے، حسن بن علی کوفی اور ایوب بن نوح سے، اور وہ اس (عباس بن عامر) سے روایت کرتے ہیں۔" اور شیخ نے اپنی رجال کی کتاب میں (ایک بار) اُنہیں اصحاب امام کاظمؑ میں شمار کیا (نمبر 38)، کہتے ہوئے: "العباس بن عامر" اور (دوسری بار) اُن لوگوں میں شمار کیا جنہوں نے ائمہؑ سے روایت نہیں کی (نمبر 65)، کہتے ہوئے: "العباس بن عامر القصبانی"، جس سے ایوب بن نوح نے روایت کی ہے"۔ میں کہتا ہوں: شیخ (قدس سرہ) کی طرف سے ایک شخص کو ایک بار اصحاب معصومین میں اور دوسری بار اُن لوگوں میں گننا جو ائمہؑ سے روایت نقل نہیں کرتے، یہ ایک ظاہر تناقض (صاف تضاد) ہے اور یہ گمان کہ جسے امام کاظمؑ کے اصحاب میں ذکر کیا ہے، وہ الگ شخص ہے اور عباس بن عامر القصبانی کوئی دوسرا ہے، یہ باطل ہے، کیونکہ وہ عبد الرحیم القصیر سے روایت کرتا ہے، اور وہ امام صادقؑ کے اصحاب سے بھی روایت کرتا ہے۔

پھر یہاں [علی بن الحسین] ابن بابویہ سے نام اور طبقے (دونوں کے اعتبار) سے مختلف ہے، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ اور اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شیخ طوسی نے اپنی "امالی" میں [علی بن الحسین] کا عنوان مجرد (اکیلا) طور پر ایک بھی مورد میں ذکر نہیں کیا۔

اب ہم شیخ طوسی کے "امالی" میں ذکر کردہ عنوان [علی بن الحسین] پر بات کرتے ہیں جو کہ مجرد (اکیلا) نہیں ہے، اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر شیخ طوسی نے ابن بابویہ کے علاوہ کسی اور کو مراد لیا ہے تو وہ اسے صرف [علی بن الحسین] کے نام اور والد کے بغیر ذکر نہیں کرتے، بلکہ لازماً اسے کسی جد، کنیہ یا لقب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اب ہم حجت اور دلیل کو مزید مضبوط کرنے کے لیے ان موارد کا ذکر کرتے ہیں:

1. صفحہ 108، حدیث 165: ... عن علی بن الحسین السعد آبادی ... آخر تک.

2. صفحہ 126، حدیث 199:... عن علی بن الحسین بن عبداللہ بن اسلم ...آخر تک.
3. صفحہ 162، حدیث 269:... عن علی بن الحسین بن سیفان کوفی ہمدانی ... آخر تک.
4. صفحہ 164، حدیث 274:... عن ابو الحسن علی بن الحسین بصری ... آخر تک.
5. صفحہ 269، حدیث 501:... عن علی بن الحسین بن عبید ... آخر تک.
6. صفحہ 271، حدیث 504:... عن علی بن الحسین بن عبید ... آخر تک.
7. صفحہ 300، حدیث 594:... عن علی بن الحسین ہمدانی ... آخر تک.
8. صفحہ 305، حدیث 611:... عن علی بن الحسین ہمدانی ... آخر تک.
9. صفحہ 305 - 612:... عن علی بن الحسین ہمدانی ... آخر تک.
10. صفحہ 335، حدیث 674:... عن علی بن الحسین بن عبید ... آخر تک.
11. صفحہ 426 - 953:... عن علی بن الحسین السعد آبادی ... آخر تک.
12. صفحہ 427 - 955:... عن ابو الحسن علی بن الحسین بن شقیر بن یعقوب بن ابراہیم ہمدانی ... آخر تک.
13. صفحہ 514، حدیث 1125:... عن علی بن الحسین بن عون بن ابو حرب بن ابو اسود دولی ... آخر تک.
14. صفحہ 627، حدیث 1293:... عن علی بن الحسین بن عون بن ابو حرب بن ابو اسود دولی ... آخر تک.

اور اس طرح ہم نے شیخ طوسی کی اہم حدیثی کتابوں کا جائزہ لے لیا، اور تفصیل سے دیکھا کہ وہ جب [علی بن الحسین] کا نام مجرد طور پر ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد ابن بابویہ ہی ہوتا ہے، اور جب وہ کسی اور شخص کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا نام مجرد طور پر ذکر نہیں کرتے بلکہ ساتھ میں لقب، جد، یا کنیت وغیرہ بھی لاتے ہیں...آخر تک.

اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں وصیت کی جو سند نقل کی ہے، اس میں [علی بن الحسین] کا مجرد ذکر در حقیقت [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] یعنی شیخ صدوق کے والد ہی ہیں۔

پس اگر کوئی عناد پرست ـــ اور ایسے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں ـــ دن کے اُجالے میں سورج کا انکار کرے، تو وہ جو کچھ میں نے اوپر بیان کیا ہے اور جو کچھ آگے بیان کروں گا، اس کے برخلاف دلیل کے ساتھ ثابت کرے۔ صرف مفلسوں کی بے بنیاد باتوں پر اکتفا نہ کرے۔

شیخ صدوق کی کتب:

جب ہم شیخ صدوق، یعنی محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتابوں کی طرف آتے ہیں، تو یقینی طور پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد کے لیے [علی بن الحسین] کا مجرد (اکیلا) عنوان استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہوئے ہمیشہ کہتے ہیں: (حدثنا ابي ...) یعنی "ہمارے والد نے ہمیں حدیث بیان کی..." لیکن پھر بھی یہ مفید ہو گا کہ ہم شیخ صدوق کی اسناد کا پیچھا کریں تاکہ یہ جان سکیں کہ کیا وہ [علی بن الحسین] کا مجرد نام اپنے والد کی طبقے کے دوسرے افراد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں کرتے یعنی [علی بن الحسین] کا مجرد عنوان اپنے والد کے طبقے کے کسی دوسرے راوی کے لیے استعمال نہیں کرتے تو یہ ایک مضبوط مؤید (تائیدی دلیل) ہو گا اس بات کے لیے کہ جب بھی [علی بن الحسین] کا مجرد نام آئے، تو اس سے مراد صرف ابن بابویہ ہی ہے، خاص طور پر اُس کی طبقے (زمانے کے راویوں) اور اس کے آس پاس کے راویوں کے درمیان، سوائے ان مواقع کے جہاں کوئی واضح قرینہ (صاف اشارہ یا وضاحت) موجود ہو جو کسی اور شخص کی طرف اشارہ کرے۔

سابقہ بیان کی بنیاد پر، میں نے شیخ صدوق کی کتابوں میں یہ نہیں پایا کہ انہوں نے [علی بن الحسین] کا مجرد عنوان استعمال کیا ہو۔ بلکہ وہ ہمیشہ اسے کسی کنیہ، لقب، یا جد کے ساتھ ذکر کرتے ہیں... وغیرہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عنوان اگر مجرد طور پر آئے تو اس سے مراد ابن بابویہ ہی لیا جاتا ہے۔ اور وہ اُن کے والد ہیں، اس لیے وہ اُن کا نام لے کر ذکر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: (حدثنا ابي) "ہمارے والد نے ہمیں حدیث بیان کی" جبکہ شیخ صدوق کے علاوہ دوسرے علما [علی بن الحسین] کا مجرد عنوان استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے ذکر ہوا اور آگے بھی آئندہ ذکر ہو گا کہ وہ [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس طرح شیخ صدوق کے غیر ابن بابویہ پر [علی بن الحسین] کا مجرد عنوان نہ لگانا اس بات کو مزید تقویت دیتا ہے کہ یہ عنوان صرف ابن بابویہ پر ہی استعمال ہوتا ہے، سوائے ان مواقع کے جہاں کوئی واضح قرینہ (اشارہ یا وضاحت) موجود ہو جو کسی اور شخص کی طرف اشارہ کرے۔

اور وہ افراد جن سے شیخ صدوق نے اپنی اسناد میں [علی بن الحسین] کے نام کے ساتھ مجرد طور پر نہیں (بلکہ کنیت، لقب یا نسب کے ساتھ) روایت کی ہے، وہ بہت سے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

1. علی بن الحسین السعد آبادی
2. علی بن الحسین بن الجنید البزاز
3. ابوالحسن علی بن الحسین البرقی

4. ابو الحسن علی بن الحسین بن سفیان بن یعقوب
5. علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب
6. علی بن الحسین المیثمی
7. علی بن الحسین النحوی
8. علی بن الحسین بن جعفر الضبی
9. علی بن الحسین بن شاذویہ المؤدب
10. علی بن الحسین بن فضال
11. علی بن الحسین علوی
12. علی بن الحسین الخیاط النیشابوری
13. علی بن الحسین البغدادی

وغیرہ۔

پھر میں نے یہ نہیں پایا کہ شیخ صدوق نے [علی بن الحسین] کا مجرد عنوان اپنے والد کی طبقے یا اس کے قریب کے راویوں کے لیے استعمال کیا ہو، الّا یہ کہ کوئی واضح قرینہ موجود ہو، جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور وہ بھی بہت ہی نادر، شاید ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین مواقع پر، اور میں نے ان کی درج ذیل کتابوں کا جائزہ لیا:

1. من لایحضرہ الفقیہ تمام حصوں کے ساتھ 2. الأمالی 3. التوحید 4. الخصال 5. ثواب الأعمال 6. صفات الشیعۃ 7. فضائل الأشہر الثلاثۃ 8. فضائل الشیعۃ 9. کمال الدین 10. علل الشرائع 11. عیون إخبار الرضاؑ 12. معانی الأخبار

کامل الزیارات، جعفر بن محمد بن قولویہ:

اب ہم کتاب کامل الزیارات کی طرف آتے ہیں، جو ابن قولویہ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب اور اس کے مؤلف کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ علی بن الحسین بن بابویہ، ابن قولویہ کے استاد ہیں اور وہ ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں، اور کئی مقامات پر ان کا پورا نام ابن بابویہ، واضح طور پر ذکر بھی کیا ہے . لیکن ہمارے لیے جو چیز اہم ہے، وہ یہ جاننا ہے کہ جب ابن قولویہ عنوان [علی بن الحسین] کو مجرد طور پر ذکر کرتا ہے، تو کیا اس سے ان کی مراد ابن بابویہ ہوتی ہے؟ یا کوئی اور؟ یا ممکن ہے کہ یہ معاملہ مختلف مقامات پر مختلف ہو؟

میں کہتا ہوں: ابن قولویہ نے کتاب کامل الزیارات میں عنوان [علی بن الحسین] کو مجرد طور پر (21) مقامات پر ذکر کیا ہے۔ راوی، مروی عنہ، اور دیگر قرائن کی مدد سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ابن قولویہ در حقیقت ابن بابویہ سے روایت کر رہے ہیں۔ ان تمام مقامات پر [علی بن الحسین] ابن بابویہ کے مشہور اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، جیسے: (علی بن ابراہیم بن ہاشم، سعد بن عبداللہ، محمد بن یحییٰ العطار) اس کے علاوہ اُن دیگر روایات کا بھی یہی مفہوم نکلتا ہے جن میں ابن قولویہ نے علی بن الحسین بن بابویہ کا نام، لقب اور کنیت واضح طور پر ذکر کی ہے.

اب میں اُن موارد کا ذکر کرتا ہوں جہاں ابن قولویہ نے کتاب کامل الزیارات میں [علی بن الحسین] کو مجرد طور پر ذکر کرتے ہوئے اُن سے روایت نقل کی ہے۔

1. ص 57، ح 35. 2. ص 91، ح 92. 3. ص 107، ح 104. 4. ص 121، ح 131. 5. ص 156، ح 194. 6. ص 179، ح 241. 7. ص 244، ح 362. 8. ص 260، ح 392. 9. ص 279، ح 439. 10. ص 292، ح 476. 11. ص 306، ح 515. 12. ص 383، ح 630. 13. ص 391، ح 636. 14. ص 425، ح 642. 15. ص 427، ح 648. 16. ص 434، ح 666. 17. ص 459، ح 698. 18. ص 469، ح 715. 19. ص 480، ح 734. 20. ص 497، ح 772. 21. ص 501، ح 782.

اور میری پچھلی بات کو مزید مضبوطی سے ثابت کرنے والی چیز یہ ہے کہ ابن قولویہ نے بعض رجال سے اسناد میں [علی بن الحسین] کے نام پر روایت کی ہے، لیکن کبھی بھی ان کا نام مجرد طور پر ذکر نہیں کیا، بلکہ لازماً ان کے ساتھ جد، لقب وغیرہ کا اضافہ کرتا ہے...آخر تک.

اور یہ بھی ایک اور دلیل ہے کہ [علی بن الحسین] کا مجرد عنوان جب استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد [ابن بابویہ قمی] کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا۔

اور تاکہ میں قاری کو مکمل طور پر آگاہ کر (دلیل دے) سکوں، میں ان مقامات کا ذکر کرتا ہوں جہاں ابن قولویہ نے [علی بن الحسین] کے نام کے ساتھ لقب، جد، یا کنیت وغیرہ کے ساتھ کسی شخص سے روایت کی ہے، اور یہ صرف چار مقامات ہیں:

1. صفحہ 216، حدیث 314: علی بن الحسین السعد آبادی نے ہمیں حدیث سنائی، انہوں نے کہا: احمد بن ابی عبداللہ البرقی نے ہمیں حدیث سنائی ... آخر تک.

2. صفحہ 506، حدیث 789: میرے والد (رحمہ اللہ) نے کہا: سعد نے کہا: علی بن الحسین النیسابوری الدقاق نے مجھے حدیث سنائی، انھوں نے کہا: ابو صالح شعیب بن عیسیٰ نے مجھے حدیث سنائی ... آخر تک.

3. صفحہ 511، حدیث 798: مجھے محمد بن یعقوب نے، محمد بن یحییٰ العطار سے، علی بن الحسین النیسابوری سے، ابراہیم بن محمد سے حدیث سنائی ... آخر تک.

4. صفحہ 512، حدیث 799: مجھے میرے والد (رحمہ اللہ) نے، سعد بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہوئے حدیث سنائی، سعد نے کہا: علی بن الحسین النیسابوری نے مجھے حدیث سنائی، اس نے کہا: ابراہیم بن رئاب نے مجھے حدیث سنائی ... آخر تک.

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

کتب شیخ مفید (رحمہ اللہ):

اب ہم شیخ مفید کی کتابوں کی طرف آتے ہیں، اور ان میں سب سے اہم کتابیں "الامالی"، "الاختصاص"، "الإرشاد" اور "المزار" ہیں۔ جیسا کہ ہمیشہ کی طرح ہم ان کتابوں میں جو [علی بن الحسین] کا عنوان مجرداً آیا ہے، اس کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ کیا یہاں مراد ابن بابویہ ہیں یا کوئی اور؟

میں نے شیخ مفید کی اوپر ذکر کی گئی کتابوں میں [علی بن الحسین] کا مجرداً ذکر صرف چھ مقامات پر پایا ہے، جنھیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں ساتھ ہی ان کے ماخذ کے ساتھ:

1. الاختصاص، صفحہ 15: احمد بن ہارون اور جعفر بن محمد بن قولویہ اور ایک جماعت نے علی بن الحسین سے ہمیں حدیث سنائی، عبداللہ بن جعفر الحمیری سے، محمد بن الحسن سے، احمد بن النضر سے، صباح سے، حارث بن حصیرہ سے، صخر بن حکم فزاری سے، جس سے اُس نے حدیث روایت کی ہے، اس نے سنا کہ عمرو بن الحمق رسول اللہؐ سے حدیث بیان کر رہے تھے، اس نے رسول اللہؐ کو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں یہ فرماتے ہوئے سنا: (اے عمرو! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمھیں جنت کی نشانی دکھاؤں؟ وہ جو کھاتا ہے، پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ اور دوزخ کی نشانی؟ وہ بھی کھاتا ہے، پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ تو میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، مجھے وہ نشانی دکھائیں. پھر علیؑ تشریف لائے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ تو رسول خداؐ نے فرمایا: اے عمرو! یہ اور اس کی قوم جنت کی نشانی ہیں۔ پھر معاویہ آیا، سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ تو رسول خداؐ نے فرمایا: اے عمرو! یہ اور اس کی قوم دوزخ کی نشانی ہیں...)

اور یہاں [علی بن الحسین] سے مراد ابن بابویہ ہے، جیسا کہ راوی اور مروی عنہ کی قرائن سے ظاہر ہے۔ راوی جعفر بن محمد بن قولویہ ہیں، اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، وہ اکثر ابن بابویہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور مروی عنہ، عبداللہ بن جعفر حمیری ہیں، جو ابن بابویہ کے معروف شیخ (استاد) ہیں۔

اس کے علاوہ جو کچھ پہلے بیان کیا گیا ہے، ان نکات کو بھی مدنظر رکھیں۔

2. الاختصاص، صفحہ 267-268: علی بن الحسین سے، محمد بن حسن سے، محمد بن حسن صفار سے، علی بن سندی سے، محمد بن عمرو سے، ابو صباح مولیٰ آل سام سے، انہوں نے کہا: میں اور ابو المغرا، ابو عبد اللہؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص جو اہل سواد سے تھا، ہمارے پاس آیا اور کہا: السلام علیک یا امیر المؤمنین و رحمۃ اللہ و برکاتہ، ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: السلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ، پھر انہوں نے اس شخص کو کھینچ کر اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا: میں نے ابو المغرا سے یا ابو المغرا نے مجھ سے کہا: یہ نام میں کسی اور کو سلام کرتے ہوئے نہیں دیکھتا سوائے امیر المؤمنین علیؑ کے، تو ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: اے ابو صباح! حقیقت میں ایمان دار بندہ کبھی ایمان نہیں پاتا جب تک یہ نہ جانے کہ ہمارے آخری والوں کے ساتھ وہی ہے، جو ہمارے پہلے والوں کے ساتھ ہے).

و [علی بن الحسین] یہاں اگرچہ بعض مصادر میں [علی بن الحسن] کے طور پر آیا ہے جیسے کہ البحار، جامع اِحادیث الشیعۃ، اور مستدرک الوسائل[1] میں، اور یہ اس بات کے عدم قطعیت کا کافی سبب ہے، لیکن اس کے باوجود اس عنوان کا مفہوم [علی بن الحسین بن یوسف] کی طرف جاتا ہے، جیسا کہ آگے وضاحت کی جائے گی۔

پہلا: شیخ مفید نے اس سند کے صدر کو عین طور پر الاختصاص صفحہ 10 پر ذکر کیا ہے، اور یہ وضاحت بھی دی ہے کہ [علی بن الحسین] یہاں اس کا دادا یوسف ہے، اور یہاں سند کا نص درج کیا گیا ہے:

(علی بن الحسین بن یوسف، عن محمد بن الحسن، عن محمد بن الحسن الصفار... آخر تک).

آپ دیکھیں گے کہ یہاں علی بن الحسین، محمد بن الحسن سے روایت کر رہا ہے، اور محمد بن الحسن، صفّار سے روایت کر رہا ہے، جیسا کہ اسی سند میں ہے جس پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں۔ بعض علما کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ سندوں اور عناوین کو مختصر کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ کتاب یا باب کے آغاز میں ان کی تفصیل بیان کر چکے

---

[1] - بحارالانوار، مجلسی، ج 25، ص 359-360 اور ج 37، ص 332؛ جامع اِحادیث الشیعۃ، سید بروجردی،، ج 12، ص 353، حدیث 4536؛ مستدرک الوسائل، ج 10، ص 399، حدیث 12254.

ہوتے ہیں، لہٰذا ابتدا میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے، وہ آخر میں آنے والی مختصر عبارتوں کے لیے قرینہ (دلیل) بن جاتا ہے۔

لیکن خود عنوان [علی بن الحسین بن یوسف] میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ شیخ مفید کی بعض اسناد میں یہ نام [علی بن الحسن بن یوسف] کے طور پر آیا ہے، جیسا کہ درج ذیل سند میں ملاحظہ ہوتا ہے:

الاختصاص، صفحہ 194:

(ہمیں علی بن الحسن بن یوسف نے حدیث سنائی، محمد بن جعفر علوی سے، حسین بن محمد بن جمہور عَمّی سے، اور انہوں نے کہا: مجھے ابو عثمان مازنی نے حدیث سنائی ... آخر تک).

محقق خوئی نے اس سند کو اسی لفظ کے ساتھ کتاب الاختصاص سے نقل کیا ہے.[1]

اور اس کی تاکید شیخ علی نمازی شاہرودی نے "علی بن الحسین بن یوسف" کے ترجمہ میں کی، جہاں انہوں نے کہا: (علی بن الحسین بن یوسف: علما نے اسے ذکر نہیں کیا۔ شیخ مفید نے الاختصاص صفحہ 10 پر اس سے، محمد بن الحسن سے، محمد بن الحسن صفّار سے روایت کرتا ہے۔ اسی طرح صفحہ 194 پر بھی اسی سے، محمد بن جعفر علوی کے واسطے سے روایت ہے... آخر تک. اور اس میں (الحسن) کو بڑا لکھا گیا ہے (مکبّراً).[2]

اور اسی طرح شیخ نمازی نے اس کے لیے دو الگ الگ عنوانات بھی قائم کیے، جیسا کہ درج ذیل ہے:

مستدرکات علم رجال الحدیث، جلد 5، صفحہ 341، نمبر 9877:

(علی بن الحسن بن یوسف: شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد میں اس (علی بن الحسن بن یوسف) سے، محمد بن جعفر علوی سے روایت کی ہے۔ حلیۃ الأبرار، جلد 2، صفحہ 51).

مستدرکات علم رجال الحدیث، ج 5، ص 341 ، نمبر 9878:

(علی بن الحسن بن یوسف الصائغ القمی: اس کا ذکر نہیں کیا گیا (مہمل ہے)۔ یہ اہل قم کے مشائخ (اساتذہ) میں سے ہے۔ اس کی چند روایات کمبا (کمال الدین و تمام النعمۃ) ج 13 ص 86، جد ج 52 ص 324، وغط (الغیبۃ شیخ طوسی) ص 201 میں موجود ہیں).

اور یہ [الحسن] کے لفظ کے ساتھ بعض مصادر میں بھی آیا ہے، ان میں سے ایک:

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 14، ص 278، ترجمہ الفرزدق میں اور اسی طرح تہذیب المقال، الأبطحی کا، شرح، ص 483.

[2] - مستدرکات علم رجال الحدیث، شیخ علی نمازی شاہرودی، ج 5، ص 359، حدیث نمبر 9957.

الغیبۃ للشیخ الطوسی صفحہ 308 حدیث 261: (ابن نوح نے کہا: اور مجھے ابو عبد اللہ حسین محمد بن سورۃ القمی (رحمہ اللہ) نے اس وقت روایت کی جب وہ حج کے لیے ہمارے پاس آئے، انہوں نے کہا: مجھے علی بن الحسن بن یوسف الصائغ القمی، اور محمد بن احمد بن محمد صیرفی جو ابن الدلال کے لقب سے معروف ہیں اور دیگر مشائخ (اساتذہ) اہل قم نے حدیث سنائی... آخر تک.

اور یہی سند اسی طرح بحار الانوار جلد 51 صفحہ 324 میں وارد ہوئی ہے، اور اسی طرح معجم احادیث الامام المہدی ؑ جلد 4 صفحہ 310 میں، اور الفوائد الرجالیۃ للسید بحر العلوم جلد 3 صفحہ 297 میں، اور محقق خوئی کے معجم جلد 17 صفحہ 345 میں محمد علی بن حسین قمی کے ترجمہ میں، اور ابطحی کی کتاب تہذیب المقال، شرح صفحہ 264 میں، اور اسی طرح اعیان الشیعہ جلد 6 صفحہ 155 میں، اور اسی طرح خاتمۃ المستدرک جلد 3 صفحہ 258 میں۔

اور تھوڑی پہلے اس کے نام میں بغیر جد کے، اختلاف بھی گزر چکا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ یہ راوی [علی بن الحسن] اور [علی بن الحسین] کے درمیان مردّد ہے، لہٰذا اس کو اس بنیاد پر استناد نہیں کر سکتا (نہیں پکڑا جا سکتا) کہ وہ [علی بن الحسین] کے عنوان کو مجرد طور پر استعمال کرنے اور اس سے ابن بابویہ قمی کی مراد لینے کے مسئلے کے خلاف ہے۔

لہٰذا اس مورد سے احتجاج کرنا اس کے واضح دلیل سے ثابت ہونے کی شاخ ہے۔ (اگر ہم کسی خاص موضوع پر احتجاج یا دلیل پیش کرنا چاہتے ہیں تو اس احتجاج کی بنیاد اس وقت ہی مضبوط ہو گی جب اس موضوع کو واضح اور مضبوط دلائل سے ثابت کیا جا سکے۔ یعنی اگر کسی مسئلے کی حقیقت یا سچائی کو واضح طور پر ثابت نہیں کیا گیا، تو اس پر احتجاج کرنا غیر مؤثر یا بے فائدہ ہو گا۔)

3. الاختصاص ص 208–209: اور ہمیں حدیث سنائی ابوالحسن محمد بن معقل نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث سنائی محمد بن عاصم نے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث سنائی علی بن الحسین نے، محمد بن مرزوق سے، عامر السراج سے، سفیان ثوری سے، قیس بن مسلم سے، طارق بن شہاب سے، انہوں نے کہا: میں نے حذیفہ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ ؐ کو فرماتے سنا: (جب قائم کے خروج کا وقت آئے گا تو آسمان سے ایک منادی ندا دے گا: اے لوگو! جباروں کی مدت ختم کر دی گئی ہے، اور امت محمد ؐ کا بہترین فرد ولیِ امر بنایا گیا ہے، پس مکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ نجباء مصر سے نکلیں گے، ابدال شام سے، اور عراق کی عصائب (منتخب افراد)۔ وہ رات کے راہب اور دن کے شیر ہوں گے، ان کے دل گویا لوہے کے ٹکڑے ہوں گے۔ پس وہ اسے رکن و مقام کے درمیان بیعت کریں گے۔ عمران بن حصین نے عرض کہا: اے رسول اللہ، ہمیں اس مرد کی صفت

بیان کیجیے۔ آپؑ نے فرمایا: وہ حسینؑ کی اولاد میں سے ایک شخص ہو گا، ایسا لگے گا جیسے وہ جرالِ شنوءہ (قبیلے) کا فرد ہو، اس پر دو قطوانی عبائیں ہوں گی، اس کا نام میرے نام جیسا ہو گا۔ اسی وقت پرندے اپنے گھونسلوں میں واپس لوٹ آئیں گے، مچھلیاں سمندروں میں خوش ہوں گی، نہریں جاری ہوں گی، چشمے پھوٹ پڑیں گے، اور زمین دگنا پیداوار اگائے گی۔ پھر اس کے لشکر کے آگے جبرئیل اور پیچھے اسرافیل ہوں گے۔ وہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی).

[محمد بن عاصم] نے امام رضا اور امام ابو عبد اللہؑ سے روایت کی، اور ابن ابی عمیر نے ان سے روایت کی۔ رجوع کریں المعجم، ج17، ص206، نمبر 11032، اور ابن بابویہ سے اس (ابن ابی عمیر) سے روایت بلاواسطہ ممکن نہیں، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ (محمد بن عاصم) ابن بابویہ سے براہ راست روایت کرے؟!

پس، یہ [علی بن الحسین] یقیناً ابن بابویہ کی طبقات سے نہیں ہیں۔

4. الاختصاص صفحہ 65: جعفر بن محمد بن قولویہ نے جعفر بن محمد بن مسعود سے، اپنے والد سے نقل کیا، کہا: مجھے علی بن حسین نے، مروک بن عبید سے حدیث سنائی، کہا: مجھے ابراہیم بن ابی البلاد نے، ایک شخص سے، اصبغ سے حدیث سنائی، اصبغ نے کہا: (میں نے اس سے پوچھا: "تم نے جمعرات کے پولیس کو کیا نام دیا؟" تو اصبغ نے جواب دیا: "ہم نے ان سے ذبح کی ضمانت لی اور انہوں نے ہمارے لیے فتح کی ضمانت دی).

[مروک بن عبید] کو شیخ طوسی نے اپنی کتاب "رجال" میں امام جوادؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے، صفحہ 378 نمبر 5608، بلکہ محقق خوئی نے نص کیا ہے کہ انہوں نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے، رجوع کریں معجم رجال الحدیث، ج19، صفحہ 137، نمبر 12264۔

اور یہاں [علی بن الحسین] مروک بن عبید سے روایت کر رہے ہیں، لہٰذا یہ یقیناً [ابن بابویہ] کی طبقات سے نہیں ہیں، پھر ان کا ان کے ساتھ اشتراک ممکن نہیں ہے۔ بلکہ بعض مصادر میں اس طرح آیا ہے: [علی بن الحسن عن مروک بن عبید]، نہ کہ علی بن الحسین۔

5. المزار صفحہ 134-135: ابو القاسم نے مجھے حدیث سنائی، اس نے کہا: مجھے علی بن الحسین (رحمہ اللہ) نے محمد بن یحیٰی العطار سے، محمد بن احمد سے حدیث سنائی، اس نے کہا: اور مجھے محمد بن حسین بن مت الجوہری نے محمد بن احمد سے، ہارون بن مسلم سے، ابو علی حرانی سے حدیث سنائی، اس نے کہا: میں نے امام ابو عبد اللہؑ سے پوچھا: (جو شخص [قبر] حسینؑ کی زیارت کرے، اس کے لیے کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: جو شخص انؑ کے پاس آئے، زیارت کرے، اور وہاں دو یا چار رکعت نماز پڑھے، اس کے لیے حج اور عمرہ کا ثواب لکھا جاتا ہے.

میں نے کہا: میں آپ کی قربان ہو جاوں، کیا ایسا ہی ہر امام کے قبر پر زیارت کرنے والے کے لیے ہے جس کی اطاعت فرض ہو؟" آپؑ نے فرمایا: جی ہاں).

اور اس روایت میں [علی بن الحسین] وہی [ابن بابویہ] ہیں، اس دلیل سے کہ راوی ابو القاسم ابن قولویہ ہیں، اور جو شخص ان سے روایت کر رہا ہے، وہ محمد بن یحییٰ ہے، جو ابن بابویہ کے شیخ (استاد) ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے بیان کی گئی۔

6. الإرشاد، ج 2 ، ص 219: الوشاء نے علی بن الحسین سے، صفوان الجمال سے روایت کی، اس نے کہا: (میں نے ابو عبد اللہؑ سے اس امر کے صاحب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس امر کا صاحب نہ کھیلتا ہے اور نہ لہو و لعب میں مشغول ہوتا ہے۔ پھر ابو الحسن (کاظمؑ) آئے اور ان کے ساتھ ان کی ایک جانور تھا، وہ اسے کہہ رہے تھے: "اپنے رب کو سجدہ کرو"۔ تو ابو عبد اللہؑ نے اسے اٹھالیا، اپنے ساتھ لگالیا اور فرمایا: "میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں، وہ جو نہ کھیلتا ہے اور نہ لہو و لعب کرتا ہے").

اور یہاں [علی بن الحسین] یقیناً ابن بابویہ کی طبقہ (ہم عصر) سے نہیں ہیں؛ کیونکہ وہ صفوان الجمال سے روایت کر رہے ہیں، جو امام صادقؑ سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم نے شیخ مفید کو [علی بن الحسین] کا یہ عنوان مجرد طور پر (یعنی بغیر کسی اضافی وضاحت کے) ابن بابویہ قمی کی طبقہ میں کسی اور پر اطلاق کرتے ہوئے نہیں پایا، اور وہ اسے مجرد طور پر کسی اور کے لیے استعمال نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ کوئی واضح اور قطعی قرینہ موجود ہو جو اس اطلاق کو کسی اور طرف موڑ دے۔

اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ جب شیخ مفید (رحمہ اللہ) کی اسناد میں [علی بن الحسین] کا عنوان مجرد نہیں بلکہ کسی اضافی قید یا وضاحت کے ساتھ آتا ہے، تو وہ ابن بابویہ قمی کے علاوہ کسی اور کے لیے مراد ہوتا ہے:

1. الإرشاد ج 1 ص 41: ... علی بن الحسین بن عبید الکوفی سے ... آخر تک.
2. الإرشاد ج 1 ص 42: ... علی بن الحسین بن عبید الکوفی سے ... آخر تک.
3. الإرشاد ج 2 ص 190: .. میں نے ابو الحسن علی بن الحسین بن محمد اصفہانی کے خط میں پایا .. آخر تک.
4. الإرشاد ج 2 ص 316: ... علی بن الحسین بن عمرو سے ... آخر تک.
5. الإرشاد ج 2 ص 358: ... علی بن الحسین الیمانی سے ... آخر تک.
6. الأمالی ص 52: ... علی بن الحسین السعد آبادی سے ... آخر تک.

7. الأمالی ص 67: ... علی بن الحسین السعد آبادی سے ... آخر تک.
8. الأمالی ص 246: ... علی بن الحسین بن واقد سے ... آخر تک.
9. الأمالی ص 280: ... علی بن الحسین السعد آبادی سے ... آخر تک.
10. الاختصاص ص 10: علی بن الحسین بن یوسف ... آخر تک.
11. الاختصاص ص 65–66: ... علی بن الحسین الفزاری سے ... آخر تک.
12. المزار ص 222: ... علی بن الحسین بن یعقوب سے ... آخر تک.

یہاں تک میں شیخ صدوق، شیخ ابن قولویہ، شیخ طوسی اور شیخ مفید کی تمام کتب سے فارغ ہو چکا ہوں، اور ان سب میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ [علی بن الحسین] کا عنوان مجرد طور پر، اس کی طبقہ میں اور بغیر کسی قرینۂ صارفہ (وہ قرینہ جو کسی بات کو کسی خاص سمت یا معنی کی طرف مائل کرے) کے، صرف [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور جو افراد اس کے ساتھ نام اور والد کے نام میں شریک ہیں، ان کا ذکر مجرد انداز میں یعنی بغیر جد، کنیت یا لقب وغیرہ کے نہیں کیا جاتا... آخر تک.

میں جانتا ہوں کہ میں نے اس موضوع پر کافی تفصیل سے بات کی ہے، جو شاید بعض قارئین کے لیے بوجھ بن چکا ہو، لیکن دلیل قائم کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے یہ تفصیل ضروری تھی۔ تاکہ معترضین یہ جان سکیں کہ جب ہم نے کہا کہ [علی بن الحسین] کا عنوان مجرد طور پر، ابن بابویہ کی طرف رجوع کرتا ہے کسی اور پر نہیں، تو ہم نے یہ بات کسی بے پرواہی یا بغیر کسی دلیل کے نہیں کہی۔ اگر وہ اپنے اعتراضات میں سختی دکھا رہے ہیں، تو انہیں بھی واضح طور پر ہمیں وہی بات ثابت کرنا ہوگی جیسے ہم نے ثابت کی ہے، اور صاف دلیل سے تفصیل سے بیان کرنا ہوگا۔ ورنہ ان کے منہ میں مٹی ہو گی اور ان کے پاس ہمارے جواب میں کچھ نہیں ہوگا سوائے [سلاماً.. سلاماً.. ہم جاہلوں سے کچھ نہیں چاہتے]۔ اور اللہ کا شکر ہے، وہ اکیلا کافی ہے۔

دوسرا نکتہ: راوی اور جس سے روایت کی گئی

حجت کو مزید مضبوط کرنے کے لیے، اب میں ان راویوں اور مروی عنہ (وہ شخص جس سے روایت کی گئی ہو) پر تحقیق کروں گا جن کا ذکر محقق خوئی نے عنوان [علی بن الحسین] مجرد طور پر، کی ترجمۃ میں کیا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ ابن بابویہ کے دور میں جب بھی [علی بن الحسین] کا نام یا عنوان مجرد طور پر استعمال کیا جائے، تو اس سے مراد صرف وہی (ابن بابویہ) ہو، نہ کہ کوئی اور وصیت کی روایت سے قطع نظر۔

پھر محقق خوئی نے ان افراد کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے جنہوں نے [علی بن الحسین] سے مجرد طور پر روایت کی ہے اور جن سے اس (علی بن الحسین) نے روایت کی ہے، اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ نام جب اس کی طبقہ پر اطلاق ہو تو ابن بابویہ ہی کی طرف منصرف ہوتا ہے، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی إن شاء اللہ تعالی۔

اور اس سے پہلے کہ میں اس (بحث) کا آغاز کروں، میں میرزا نوری اور دیگر علماء کا قول ذکر کروں گا جو انہوں نے کتب حدیث و رجال میں [علی بن الحسین] کے نام کا مجرد طور پر استعمال کے بارے میں بیان کیا ہے:

میرزا نوری نے کہا: (... بے شک احادیث اور رجال کی کتابوں میں صدوق کے والد کے لیے [علی بن الحسین] یا [علی بن بابویہ] کا تعبیر استعمال کیا گیا ہے...).[1]

اور المستدرک کے خاتمے کے تیسرے جلد کے حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے: (... مذکورہ ابن قولویہ [علی بن الحسین] سے روایت کرتا ہے، جو کہ ظاہر ہے کہ وہ ہمارے شیخ صدوق (رحمت اللہ علیہ) کے والد ہیں...).[2]

فقہ الرضا کی تحقیق کے کتاب کے مقدمے میں (موسسہ آل البیت، قم مشرفہ) جواد شہرستانی کے قلم سے آیا: (...اس کے علاوہ جو موجود ہے وہ یہ ہے کہ احادیث اور رجال کی کتابوں میں صدوق کے والد کے لیے [علی بن الحسین] یا [علی بن بابویہ] کا تعبیر استعمال کیا گیا ہے...).[3]

اور جو کچھ ابھی پیش آیا ہے، اس کے بعد میں کہوں گا: محقق خوئی نے معجم رجال الحدیث ج 12 ص 382 پر، نمبر 8048 کے تحت [علی بن الحسین] کا ترجمہ کیا ہے. ہر وہ شخص جو انہوں سے اس عنوان کے تحت روایت کر چکا ہے یا جنہوں نے ان سے روایت کی ہے، ذکر کیا گیا ہے. جہاں اُنہوں نے کہا: (علی بن الحسین نے احمد بن ابو عبد اللہ سے روایت کی۔ تفسیر القمی میں سورہ النور کی آیت: (حَتّى تَسْتَأْنسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا) کی تفسیر میں۔

حدیث میں اس کی طبقہ اس عنوان [علی بن الحسین] کے ساتھ بہت سی روایات کی اسناد میں اس کا ذکر آیا ہے، جن کی تعداد 124 مقامات تک پہنچتی ہے۔ اس نے روایت کی ہے امام ابو عبد اللہؑ سے، اور ابن سنان، ابن اِورمہ، اور احمد بن ابی عبد اللہ، اور احمد بن ادریس، اور احمد بن محمد بن خالد، اور جعفر بن بکر، اور حماد بن عیسی،

---

[1] - خاتمۃ المستدرک، میرزا نوری، ج 1، ص 316.

[2] - خاتمۃ المستدرک، میرزا نوری، ج 3، حاشیہ ص 141.

[3] - فقہ الرضا، ص 41.

اور سعد بن عبد اللہ، اور سیف بن عمیرۃ، اور عبد اللہ بن جعفر، اور علی بن ابی حمزہ، اور علی بن حسان، اور علی بن موسی، اور عمرو بن عثمان، اور محمد بن ابی حمزہ، اور محمد بن احمد بن علی، اور محمد بن احمد بن علی بن صلت، اور محمد بن حسن، اور محمد بن زیاد، اور محمد بن عبد اللہ بن زرارۃ، اور محمد بن عبید، اور محمد بن علی، اور محمد بن یحییٰ، اور محمد مکناسی سے۔ اور اس سے روایت کی ہے: اس کے بیٹے ابو جعفر نے، اور ابو عبد اللہ، اور ابو عمران الارمنی، اور ابان بن عثمان، اور احمد بن محمد، اور اسماعیل بن محمد المکی، اور سلمہ بن خطاب، اور عبد اللہ بن احمد، اور عبید اللہ بن حسین، اور علی، اور علی بن حاتم، اور اس کے بیٹے ابو جعفر محمد، اور محمد بن علی بن محبوب، اور محمد بن یحییٰ، اور خشاب، اور عوفی نے۔

... یہاں تک کہ اس نے کہا: میں کہتا ہوں: یہ "علی بن الحسین" کئی افراد کے درمیان مشترک ہے، اور ان میں امتیاز (فرق) صرف راوی اور مروی عنہ (جس سے روایت کی گئی) کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے) ختم ہوا.

میں کہتا ہوں: یہ بات مخفی نہیں ہے، جیسا کہ آگے اس کی وضاحت آئے گی، کہ خوئی کا مقصود اس عنوان سے [علی بن الحسین القمی ابن بابویہ] ہے، کیونکہ وہ مثلاً کہتا ہے: [اس سے اس کے بیٹے ابو جعفر نے روایت کی] اور ایک اور جگہ کہتا ہے: [اور اس کے بیٹے ابو جعفر محمد]، اور ابو جعفر محمد دراصل شیخ صدوق ہیں، جو علی بن الحسین القمی ابن بابویہ کے بیٹے ہیں۔

لیکن خوئی کا یہ قول: (علی بن الحسین یہ (نام) کئی افراد کے درمیان مشترک ہے، اور تمییز (فرق) صرف راوی اور مروی عنہ کے ذریعے ہی ممکن ہے)، کیونکہ یہ عنوان [علی بن الحسین] مختلف طبقات میں وارد ہوا ہے— کبھی امام صادقؑ کے زمانے میں، کبھی امام کاظمؑ کے زمانے میں، اور اسی طرح باقی ادوار میں۔ اور چونکہ محقق خوئی کا اصول یہ ہے کہ وہ ہر اس شخص کو ذکر کرتے ہیں جو اس عنوان میں شریک ہو، اس لیے انھوں نے ہر وہ روایت ذکر کی ہے جس میں [علی بن الحسین] کا یہ عنوان آیا ہے، حتیٰ کہ وہ بھی جو براہِ راست امام صادقؑ سے روایت کر رہا ہو۔ اسی بنا پر انھوں نے واضح کیا کہ شناخت کا معیار "راوی اور مروی عنہ" ہے، تاکہ ان افراد کو الگ کیا جا سکے جن سے علی بن الحسین براہِ راست روایت نہیں کر سکتا، یا وہ افراد جو براہِ راست علی بن الحسین سے روایت نہیں کر سکتے۔

یا یہ کہ پچھلی بحث اور آئندہ آنے والی وضاحتوں کا نتیجہ لازماً یہ ظاہر کرتا ہے کہ عنوان [علی بن الحسین] جب مجرد ہو اور ابن بابویہ کی طبقہ میں واقع ہو، تو وہ کسی اور کی طرف منصرف نہیں ہوتا۔ اور محقق خوئی کی تحقیق کا نتیجہ بھی بالآخر اسی بات کی تائید کرتا ہے، چاہے اُن کا مقصد یہی ہو یا نہ ہو۔

پھر اگر ہم یہ ثابت کرنا چاہیں کہ وہ علی بن الحسین بن بابویہ ہے، تو ہمیں اُن لوگوں کو جاننا ہوگا جنہوں نے [علی بن الحسین] کے عنوان سے روایت کی ہے، تاکہ ہم ان سب کو مستثنیٰ کر دیں جو اس کے بعد کے ہیں یا اس سے پہلے کے ہیں، اس طرح کہ ان کا اس (علی بن الحسین) سے براہِ راست روایت کرنا ممکن نہ ہو، اور اسی طرح ان سب کو بھی مستثنیٰ کر دیں جو اس سے پہلے کے ہیں، جن کو [علی بن الحسین] نے پایا ہی نہیں کہ ان سے براہِ راست روایت کر سکے، اس کے علاوہ دیگر قرائن بھی ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

پس اگر ہمارے سامنے صرف ایک شخص کسی ایک دور میں مثلاً دورِ غیبتِ صغریٰ ثابت ہو جائے، تو وہی متعین (یقینی) ہوگا۔ اور اگر نتیجے میں ایک سے زیادہ افراد سامنے آئیں، تو ان میں سے درست شخص قرائن کی بنیاد پر متعین کیا جائے گا، جیسے کہ وہ اُن راویوں کا استاد ہے جو اُس سے حدیث نقل کرتے ہیں یا اُس کے اساتذہ جن سے وہ حدیث نقل کرتا ہے (علی بن الحسین اُن راویوں کے استاد ہیں جنہوں نے اُن سے حدیث نقل کی ہے۔ علی بن الحسین کے اساتذہ وہ افراد ہیں جن سے اُس نے حدیث روایت کی ہے).

اب ہم اُن تمام افراد کو خارج کرتے ہیں جو [علی بن الحسین بن بابویہ] سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، جن کے بارے میں خوئی نے یہ ذکر کیا ہے کہ "علی بن الحسین" نے ان سے روایت کی ہے۔

جن افراد سے عنوان [علی بن الحسین] نے روایت کی ہے:

[اِبی عبد اللہؑ سے] : اور جو امام صادقؑ سے روایت کرے، وہ یقیناً ابن بابویہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ابن بابویہ نے امام صادقؑ کا زمانہ درک نہیں کیا۔

[و عن ابن سنان سے] : وہ امام رضاؑ سے روایت کرتا ہے، لہٰذا علی بن الحسین بن بابویہ کا اس سے روایت کرنا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ نجاشی نے ذکر کیا ہے، وہ سنہ 220 میں وفات پا چکا تھا۔

اور اگر اس سے مراد عبد اللہ بن سنان بن طریف ہو، تو وہ امام صادقؑ سے روایت کرتا ہے، اور بعض غیر مؤکد اقوال کے مطابق امام کاظمؑ سے بھی، جیسا کہ نجاشی کی رائے میں آیا ہے۔ نجاشی نے اس سے چار واسطوں کے ذریعے روایت کی ہے، اور شیخ طوسی نے پانچ واسطوں کے ساتھ۔ بلکہ خود علی بن الحسین بن بابویہ نے بھی اس سے تین واسطوں کے ذریعے روایت کی ہے، جیسا کہ شیخ طوسی نے عبد اللہ بن سنان کی ترجمۃ میں ذکر کیا ہے۔

اور کتاب الکافی میں صرف اس طرح آیا ہے:

کلینی نے روایت کی: محمد بن یحییٰ سے، محمد بن احمد سے، عبداللہ بن احمد سے، علی بن الحسین سے، ابن سنان سے، سابق بن ولید سے، معلّیٰ بن خنیس سے، اور انہوں نے امام صادقؑ [1] سے۔

پس چاہے ابن سنان کوئی بھی ہو، وہ قطعاً ابن بابویہ قمی کی طبقے سے نہیں ہے اور وہ ہرگز اس سے بلا واسطہ روایت نہیں کر سکتا۔

[اور ابن اُورَمہ]: صرف "الکافی" [2] کا ایک جگہ میں، اس طرح آیا ہے:

الکافی: محمد بن یحییٰ، علی بن الحسین سے، ابن اُورَمہ سے، حسین بن سعید سے (مرفوعاً) روایت کی، انہوں نے کہا: امیر المؤمنینؑ نے فرمایا... [3]

اور یہ (ابن اِورمہ) امام ہادیؑ کے معاصرین میں سے ہے، بلکہ بعض نے کہا ہے کہ وہ امام جوادؑ کے بھی معاصر تھے، بلکہ شیخ طوسی نے انہیں اصحابِ امام رضاؑ [4] میں شمار کیا ہے۔ اور صدوق ان سے تین واسطوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جبکہ شیخ نجاشی ان سے پانچ واسطوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ پس یہ ناممکن ہے کہ ابن بابویہ (علی بن الحسین بن بابویہ) ان سے بلا واسطہ روایت کرے، خاص طور پر جب ہم جانتے ہیں کہ علی بن الحسین بن بابویہ نے تقریباً پوری غیبتِ صغریٰ کا زمانہ پایا، یعنی تقریباً ستر سال، تو لامحالہ وہ امام حسن عسکریؑ کی حیاتِ مبارکہ میں کم عمر تھے۔

[اور احمد بن ابی عبداللہ]: علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں علی بن الحسین سے، احمد بن ابی عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور احمد بن ابی عبداللہ دراصل احمد بن محمد بن خالد برقی ہیں، جن کا انتقال 274 یا 280 ہجری میں ہوا۔ اور علی بن حسین بن بابویہ ان سے صرف ایک واسطہ کے ذریعے روایت کرتے ہیں. کبھی ان سے علی بن الحسین سعدآبادی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، جو یہ خود احمد بن ابی عبداللہ سے بہت زیادہ روایت کرتا ہے۔ کبھی ان سے سعد بن عبداللہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، اور تیسری بار وہ احمد بن ادریس کے ذریعے ان سے روایت کرتے ہیں، چوتھی بار وہ عبداللہ بن جعفر حمیری کے ذریعے ان سے روایت کرتے ہیں. جیساکہ شیخ صدوق کی احمد بن ابی عبداللہ اور دیگر افراد تک پہنچنے والی اسناد میں پایا جاتا ہے۔

---

[1] - الکافی، کلینی، ج1، ص477، باب مولد ابی الحسن موسی بن جعفرؑ.

[2] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج23، ص169، حدیث نمبر 15058 .

[3] - الکافی، کلینی، ج1، ص388 .

[4] - رجال، شیخ طوسی، ص367، نمبر 5463 .

اور زیادہ تر وہ لوگ جو احمد بن ابی عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ علی بن الحسین السعد آبادی ہیں، جیسا کہ اسانید (سند کا سلسلہ) میں یہ بات دیکھی جا سکتی ہے، اور اسی طرح علی بن الحسین النحوی، علی بن الحسین المؤدب، اور دیگر لوگ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

اور کسی بھی صورت میں، علی بن الحسین بن بابویہ، احمد بن ابی عبد اللہ سے صرف ایک واسطہ کے ذریعے ہی روایت کرتے ہیں، اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ علی بن الحسین جو احمد بن ابی عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابن بابویہ نہیں ہیں۔ بلکہ ابن بابویہ کی انتہائی حد یہ ہے کہ وہ علی بن ابراہیم سے روایت کرے تو پھر وہ احمد بن ابی عبد اللہ البرقی تک کیسے پہنچ سکتے ہیں، جو سنہ 274 یا 280 ہجری میں وفات پا چکے ہیں؟!!!"

علی بن الحسن السعد آبادی، نحوی، اور مؤدب، ان کے بارے میں صرف ان کے القاب یا نسب کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، اور انہیں بغیر ان (القاب اور نسب) کے ساتھ ذکر کرنے کا کوئی رواج نہیں ہوتا، سوائے اس صورت میں جب کوئی ایسی قرینہ صارفہ (موڑنے والی) موجود ہو جو انہیں ابن بابویہ کی طرف نسبت دینے سے روک دے اور اسے کسی اور کی طرف موڑ دے جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اس صورت میں، ان کی شناخت ان کے اساتذہ کے ذریعے کی جاتی ہے، یعنی وہ شخص (استاد) جس سے راویوں نے اس سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور اسی طرح وہ طریقہ جس کے ذریعے وہ (راوی) ان (اساتذہ) سے روایت کرتا ہے۔

بہر حال، جب غیبتِ صغریٰ کے زمانے میں [علی بن الحسین] کو بغیر کسی اضافی قید کے (یعنی مجرد طور پر) ذکر کیا جاتا ہے، تو اس سے مراد علی بن الحسین بن بابویہ قمی ہی ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی شہرت، فضیلت، کمال، علم کی کثرت اور بلند مرتبے کی وجہ سے معروف و ممتاز تھے... وغیرہ اور جہاں تک ان دوسرے افراد کا تعلق ہے جن کا نام [علی بن الحسین] ہے، تو وہ عموماً مجرد طور پر بغیر نسبت، لقب یا جد ذکر نہیں کیے جاتے... آخر تک.

اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ قمی نے اپنی تفسیر میں [علی بن الحسین] کے عنوان سے صرف (13) مقامات پر روایت کی ہے، جن میں سے سب میں کہا گیا ہے: "اس (علی بن الحسین) سے احمد بن ابی عبد اللہ البرقی نے روایت کی"، اور یہ آخری شخص ابن بابویہ کے مشائخ (اساتذہ) میں سے نہیں ہے، بلکہ [علی بن الحسین سعد آبادی] کے مشائخ میں سے ہے۔ یہ ایک کافی اور مکمل قرینہ (دلیل) ہے کہ یہ عنوان ابن بابویہ سے الگ ہے اور وہ قمی کے اسناد میں ابن بابویہ کے ساتھ مشترک نہیں ہے۔ پس، [علی بن ابراہیم قمی] جو تفسیر کے مؤلف ہیں، وہ ابن بابویہ کے استاد ہیں، نہ کہ اس کے برعکس۔

[اور احمد بن إدریس] : علی بن حسین بن بابویہ کے مشائخ (اساتذہ) میں سے ہیں اور انہوں نے ان (احمد بن ادریس) سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔

[اور احمد بن محمد بن خالد]: ابن بابویہ نے ان سے سعد بن عبد اللہ کے ذریعے سے روایات نقل کی ہیں، اور اسی طرح احمد بن ادریس، عبد اللہ بن جعفر حمیری، اور علی بن حسین سعد آبادی کے ذریعے سے بھی روایات نقل کی ہیں۔

اور علی بن الحسین جو احمد بن محمد بن خالد سے روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسین سعد آبادی] ہے، اقویٰ قول کے مطابق، کیونکہ وہ (علی بن الحسین) اس سے بہت زیادہ روایت کرتا ہے، اور نجاشی نے ذکر کیا ہے کہ اس (علی بن الحسین) کا احمد بن محمد بن خالد کی کتابوں تک پہنچنے کا طریقہ (راستہ) [احمد بن ابی عبد اللہ] ہے، جو کہ (90) کتابیں یا اس سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ اس نے کہا: (ہمیں ان کی تمام کتابوں کی خبر دی حسین بن عبید اللہ نے، کہا: ہمیں احمد بن محمد ابو غالب زراری نے حدیث سنائی، کہا: مجھے میرے مؤدب علی بن الحسین سعد آبادی ابو الحسن قمی نے حدیث سنائی، کہا: ہمیں احمد بن ابی عبد اللہ نے کتابوں کے بارے میں حدیث سنائی).[1]

اور اسی طرح شیخ طوسی کا احمد بن محمد بن خالد [احمد بن ابی عبد اللہ] کی کتابوں تک کا واسطہ بھی علی بن الحسین سعد آبادی ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب الفہرست میں ان کی کتابوں کی تعداد بیان کرنے کے بعد کہا: (ہمیں ان تمام کتابوں اور ان کی تمام روایات کے بارے میں ہمارے چند اصحاب نے خبر دی، جن میں شیخ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان مفید، اور ابو عبد اللہ حسین بن عبید اللہ، اور احمد بن عبدون اور دیگر شامل ہیں، جنہوں نے احمد بن محمد بن سلیمان زراری سے روایت کی، انہوں نے کہا: میرے مؤدب علی بن الحسین سعد آبادی ابو الحسن قمی نے روایت کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن ابی عبد اللہ نے یہ حدیث سنائی).[2]

لہٰذا [علی بن الحسین] جو [احمد بن محمد بن خالد] سے روایت کرتے ہیں، وہ اس اعتبار سے معروف ہیں کہ وہ [ابن بابویہ] نہیں ہیں، مروی عنہ کے ذریعے سے (اس شخص کے ذریعے جس سے روایت کی گئی ہے)، اور وہ احمد بن محمد بن خالد ہیں۔ کیونکہ [ابن بابویہ] تو ان سے صرف واسطے کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

---

[1] - رجال نجاشی، ص 77، نمبر 182 .

[2] - الفہرست، شیخ طوسی، ص 64، نمبر 65 .

[اور جعفر بن بکر]: اس سے علی بن الحسین تیمی نے روایت کی ہے، نہ کہ ابن بابویہ نے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سندِ الکافی جلد 5 میں یہ یوں وارد ہوا ہے:

احمد بن محمد، علی بن الحسین تیمی سے، وہ جعفر بن بکر سے، وہ عبداللہ بن ابی سہل سے، وہ عبداللہ بن عبدالکریم سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: فرماں بردار بیوی، نیک اولاد، اور وہ مرد جس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو، جو اپنے اہل کی طرف صبح جائے اور شام کو واپس آئے).[1]

اور شیخ طوسی نے بھی یہی روایت نقل کی ہے، لیکن انہوں نے صرف [علی بن الحسین] کا ذکر کیا ہے، (التیمی) کا ذکر کیے بغیر۔ روایت یوں آئی ہے:

احمد بن محمد، علی بن الحسین سے، جعفر بن بکر سے، عبد اللہ بن ابی سہل سے، حماد سے، عبد الکریم سے روایت کیا، کہ امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: (تین چیزیں خوش بختی میں سے ہیں: فرماں بردار بیوی، نیک اولاد، اور وہ مرد جس کا رزق اس کے اپنے شہر میں ہو، جو اپنے اہل کی طرف صبح جائے اور شام کو واپس آئے).[2]

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ وہی روایت ہے اور وہی سند ہے، سوائے ایک معمولی اختلاف کے جو غالباً تصحیف (نقل میں غلطی) ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ راوی [تیمی] ہے، نہ کہ [ابن بابویہ]، یہ بات قطعاً ثابت ہے۔ نیز [حر عاملی] نے بھی یہی روایت اور یہی سند [حسن بن علی تیمی] کے الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

اور [خوئی] نے کہا ہے کہ [جعفر بن بکر] سے جو شخص روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسن تیمی] ہے، نہ کہ [علی بن الحسین].[3]

لہٰذا، جو شخص [جعفر بن بکر] سے روایت کرتا ہے، وہ تو سرے سے [علی بن الحسین] کے ساتھ نام میں شریک ہی نہیں ہے۔

---

[1] -الکافی، کلینی، ج 5، ص 257–258.

[2] -تہذیب الأحکام، شیخ طوسی، ج 7، ص 236 .

[3] -ج 12، ص 383، حدیث 8048 .

[اور حماد بن عیسی] : کے بارے میں نجاشی نے ذکر کیا ہے کہ وہ امام جوادؑ کی زندگی میں، سنہ 208 یا 209 ہجری میں وفات پاگئے، لہٰذا ابن بابویہ کا ان سے بلاواسطہ روایت کرنا محال ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن بابویہ نے ان سے تین واسطوں کے ذریعے روایت کی ہے، جیسا کہ امالی صدوق میں صفحہ 474 حدیث نمبر 638، نیز حدیث 659، حدیث نمبر 684، اور اسی طرح کتاب التوحید میں بھی مذکور ہے۔

اور حماد بن عیسی جس سے [علی بن الحسین] روایت کرتے ہیں، وہ امام صادقؑ سے بلا واسطہ روایت کرتا ہے، لہٰذا یہ بالکل ممکن نہیں کہ علی بن الحسین بن بابویہ اس سے بلاواسطہ روایت کریں .[1]

لہٰذا، یہ [علی بن الحسین] ہر گز علی بن الحسین بن بابویہ کے طبقے (زمانے) کا شریک نہیں ہے۔

[اور سعد بن عبداللہ]: کا سنِ وفات 301 یا 299 ہجری ہے، اور جو شخص سعد بن عبداللہ سے روایت کرتا ہے وہ علی بن الحسین بن بابویہ ہے، اور وہ شیخ طوسی کے سعد بن عبداللہ کی کتابوں تک پہنچنے والے سلسلۂ روایت (طریق) میں شامل ہے۔ شیخ طوسی نے خود ترجمۂ سعد بن عبداللہ میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

اور علی بن الحسین بن بابویہ نے سعد بن عبداللہ سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔

[اور سیف بن عمیرہ] اُن افراد میں سے ہیں جنھوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے، جیسا کہ نجاشی نے "سیف بن عمیرہ" کی ترجمۃ میں ذکر کیا ہے، لہٰذا ابن بابویہ کا ان سے بلا واسطہ روایت کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ (ابن بابویہ) ان سے چار واسطوں کے ذریعے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ امالی صدوق، صفحہ 113، حدیث نمبر 92 میں موجود ہے۔

اور علی بن حسین نے سیف بن عمیرہ سے الکافی میں اس طرح روایت کی ہے:

الکافی: محمد بن یحییٰ سے، علی بن حسین سے، سیف بن عمیرہ سے، محمد بن مروان سے روایت کی، محمد بن مروان نے کہا: میں نے امام جعفر صادق ؑ سے عرض کیا...[2]

پھر [علی بن الحسین] جو سیف بن عُمیرہ سے روایت کرتا ہے، علی بن الحسین بن بابویہ کے ساتھ طبقے (زمانے یا دور) میں ہر گز شریک نہیں ہے۔

[اور عبداللہ بن جعفر] سے مراد حمیری ہے، اور ابن بابویہ اس سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔ شیخ طوسی نے صراحت کی ہے کہ ابن بابویہ، عبداللہ بن جعفر کی کتابوں تک پہنچنے کے سلسلے میں واسطہ بنے ہیں۔ چنانچہ

---

[1] -وسائل الشیعۃ، حر عاملی، ج9، ص331، حدیث 12151 اور ج28، ص22–23، حدیث 34120.

[2] -الکافی، کلینی، ج2 ، ص503.

یوں نقل کیا ہے: (ہمیں اس کی تمام کتابوں اور روایات کے بارے میں شیخ مفید (رحمہ اللہ) نے خبر دی، انہوں نے ابو جعفر بن بابویہ سے، اور انہوں نے اپنے والد اور محمد بن حسن سے، اور انہوں نے (عبد اللہ بن جعفر) سے روایت کی).[1]

[اور علی بن ابی حمزہ] سے مراد بطائنی اور ثُمالی دونوں ہو سکتے ہیں، اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ مراد بطائنی ہے، اور ان دونوں سے ابن بابویہ کا بلا واسطہ روایت کرنا محال ہے، کیونکہ ان کے درمیان زمانی فاصلہ بہت زیادہ ہے۔

پس بطائنی، اصحاب امام صادقؑ[2] و امام کاظمؑ[3] میں سے تھا، اور اس نے امام رضاؑ کا بھی زمانہ پایا اور انہی کے زمانے میں وفات پائی[4]؛ اور ثمالی نے امام باقر اور امام صادقؑ سے روایت کی ہے.[5]

لہٰذا، جو [علی بن الحسین]، [علی بن ابی حمزہ] سے روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسین بن بابویہ] کے طبقے (زمانے) سے ہر گز تعلق نہیں رکھتا، اور کسی طور پر بھی اس کے ہم طبقہ (ہم عصر) نہیں ہو سکتا۔

[اور علی بن حسان]: اس عنوان کے ساتھ آیا ہے: علی بن حسان، جو امام صادقؑ سے روایت کرتا ہے اور علی بن حسان بن کثیر، جو امام کاظمؑ کے زمانے کے قریب ہے اور یہ دونوں ایسے راوی ہیں جن سے ابن بابویہ کا بلا واسطہ روایت کرنا ممکن نہیں ہے.[6] اسی طرح علی بن حسان واسطی، جو امام صادقؑ سے روایت کرتا ہے.[7] اسی طرح علی بن حسان زبیدی، جو دراصل علی بن ابی مغیرہ ہے جسے شیخ طوسی نے امام باقر و امام صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے.[8]

اور یہی علی بن الحسین نے علی بن حسان سے صرف ایک مقام پر روایت کی ہے:

---

[1] - الفہرست، شیخ طوسی، ص 168-167، نمبر 439.

[2] -رجال، شیخ طوسی، ص 245، نمبر 3402 .

[3] -رجال، شیخ طوسی، ص 339، نمبر 5049 .

[4] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، ص 238 اور اس کے بعد کے صفحات.

[5] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، ص 252، نمبر 7848 اور ص 253، نمبر 7849 .

[6] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، نمبر 7997 اور 7998 .

[7] -رجوع کریں پہلے ماخذ کا، نمبر 8000 .

[8] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 12، نمبر 7885 اور 7999 .

الکافی: بعض اصحاب نے علی بن الحسین سے، علی بن حسان سے، عبد الرحمٰن بن کثیر سے، اور انہوں نے امام جعفر صادق ؑ سے روایت کی کہ: (جب رسول اللہؐ نے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کا ارادہ فرمایا... آخر تک).[1]

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، یہاں علی بن الحسین، علی بن حسان سے روایت کر رہے ہیں، جو امام صادقؑ سے صرف ایک واسطے کے ذریعے روایت کرتا ہے؛ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ یہ علی بن الحسین، علی بن الحسین بن بابویہ قمی کی طبقے (زمانے) سے ہوں۔

[اور علی بن موسیٰ]: وہ ابن بابویہ کے مشائخ (اساتذہ) میں سے ہیں جن سے انہوں (ابن بابویہ) نے اس عنوان [علی بن موسیٰ] کے تحت کتاب ثواب الأعمال میں بکثرت روایت کی ہے۔ اسی طرح (علی بن موسیٰ بن جعفر... الکُمندانی) کے عنوان سے بھی ابن بابویہ نے امالی، توحید، اور خصال میں روایت کی ہے۔

اور علی بن حسین نے علی بن موسیٰ سے مجرد (یعنی بلا کسی اضافی وصف کے) ایک مقام پر روایت کی ہے:

الاستبصار: جلد 1، صفحہ 216، حدیث 766؛ التہذیب: جلد 1، صفحہ 453–454، حدیث 1477؛

اور اس سے پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ علی بن موسیٰ، ابن بابویہ قمی کے شیخ (استاد) ہیں۔

[عمرو بن عثمان]: شیخ طوسی نے اس نام کو امام صادقؑ کے اصحاب میں ذکر کیا ہے: (عمرو بن عثمان جہنی کوفی[2]، عمرو بن عثمان جابری ہمدانی[3] اور عمرو بن عثمان[4]).

اور یہ افراد ابن بابویہ کے طبقے (زمانے) کے نہیں ہیں، لہٰذا ان سے بلا واسطہ روایت کرنا ممکن نہیں۔

اور محقق خوئی نے معجم رجال الحدیث، جلد 14، نمبر 8960 میں ذکر کیا ہے: (عمرو بن عثمان رازی... اس نے امام موسیٰ کاظمؑ یعنی ابو الحسن اول سے روایت کی ہے).

پس وہ [عمرو بن عثمان] ابن بابویہ کے طبقے سے نہیں ہے، اور ابن بابویہ کا اس سے براہِ راست روایت کرنا ممکن نہیں ہے۔

---

[1] -الکافی، کلینی، ج 5، ص 374، باب "خطب النکاح".

[2] -رجال، شیخ طوسی، ص 249، حدیث نمبر 3476.

[3] -رجال، شیخ طوسی، ص 251، نمبر 3519.

[4] -رجال، شیخ طوسی، ص 327، نمبر 4902.

یہ عنوان (علی بن الحسین عن عمرو بن عثمان) کے ساتھ الکافی میں دو مقامات پر آیا ہے.[1]

پھر محقق خوئی نے کہا ہے: عمرو بن عثمان سے جو روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسن] ہے، نہ کہ [علی بن الحسین] .[2]

پس جو شخص عمرو بن عثمان سے روایت کرتا ہے، وہ ابن بابویہ کے ساتھ نہ نام میں شریک ہے اور نہ ہی طبقے میں۔

[اور محمد بن ابی حمزہ]: شیخ طوسی نے انہیں امام باقرؑ [3] کے اصحاب میں ذکر کیا ہے، اور اسی طرح امام صادقؑ کے اصحاب میں اس نام کو یوں ذکر کیا ہے: [محمد بن ابی حمزہ التیملی کوفی] [4]، اور اسی طرح انہیں یوں بھی ذکر کیا ہے: [محمد بن ابی حمزہ الثمالی] [5]، اور ایک بار [محمد بن ابی حمزہ] کے عنوان سے مجرد طور پر، امام صادقؑ کے ان اصحاب میں شمار کیا ہے جن سے ایک واسطے کے ذریعے روایت ہوئی ہے، یہ بات دو مرتبہ لگاتار ذکر ہوئی ہے.[6] پھر بہر حال وہ یقینی طور پر ابن بابویہ کے طبقے سے نہیں ہیں۔

اور اس عنوان (علی بن حسین عن محمد بن ابی حمزہ) کے ساتھ ایک ہی مقام پر روایت آئی ہے:

الکافی: محمد بن یحییٰ، محمد بن احمد سے، خشاب سے، علی بن حسین سے، محمد بن ابی حمزہ سے، عبداللہ بن سنان سے روایت کرتے ہیں: (میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: ایک غلام کے ہاتھ میں کچھ مال ہے، کیا اس پر زکات واجب ہے؟ امامؑ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: اس کے مالک پر بھی واجب نہیں ہے؟ فرمایا: نہیں، کیونکہ وہ مال مالک تک نہیں پہنچا، اور وہ غلام کا بھی نہیں ہے).[7]

اور شیخ صدوق نے یہی روایت علل الشرائع میں اس طرح نقل کی ہے:

صدوق: میرے والد نے احمد بن ادریس سے، اشعری سے، خشاب سے، علی بن الحسن (یا حسین) سے، محمد بن ابی حمزہ سے، عبداللہ بن سنان سے روایت کی: (میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: ایک غلام کے ہاتھ

---

[1] - الکافی، کلینی، ج 4، صفحات 169–170، باب النوادر، حدیث نمبر 2، ج 5، ص 352، باب: ان لوگوں کے بارے میں، جن سے نکاح کرنا مکروہ ہے، اور وہ کردوں میں سے ہیں۔، حدیث نمبر 2.

[2] - الکافی، کلینی، ج 12، ص 383، حدیث نمبر 8048.

[3] - رجال، شیخ طوسی، ص 145، نمبر 1597.

[4] - رجال، شیخ طوسی، ص 300، نمبر 4393.

[5] - رجال، شیخ طوسی، ص 313، نمبر 4650.

[6] - رجال، شیخ طوسی، ص 326، نمبر 4896 اور نمبر 4897.

[7] - الکافی، کلینی، ج 3، ص 542، باب زکاۃ مملوک، ح 5.

میں کچھ مال ہے، کیا اس پر زکات واجب ہے؟ امامؑ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: اس کے مالک پر بھی واجب نہیں ہے؟ فرمایا: نہیں، کیونکہ وہ مال مالک تک نہیں پہنچا، اور وہ غلام کا بھی نہیں ہے). [1]

اگرچہ میرے سامنے موجود علل الشرائع کے نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے: (علی بن الحسن عن محمد بن أبي حمزة) نہ کہ [علی بن الحسین].

حالانکہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ صدوق اپنے والد [علی بن الحسین بن بابویہ] سے یہ روایت نقل کرتے ہیں اور ان کے درمیان [علی بن الحسین] سے جو محمد بن ابي حمزہ سے روایت کرتے ہیں، تین واسطے ہیں۔

بالکل شک نہیں کہ [علی بن الحسین] یہ شخص علی بن الحسین بن بابویہ کے طبقے کا حصہ نہیں ہے، نہ وہ طبقے میں شریک ہیں، بلکہ ان کے نام میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔

[اور محمد بن احمد بن علی]: [علی بن الحسین بن بابویہ] کے مشائخ (اساتذہ) میں سے ہیں. [2]

[اور محمد بن احمد بن علی بن الصلت]: وہی شخص ہے جو ابن بابویہ کے مشائخ میں سے ہیں. [3]

[اور محمد بن الحسن]: میں نے [علی بن الحسین، محمد بن الحسن سے] [4] کے عنوان سے صرف ایک مقام پایا ہے جو [الکافی] جلد 4، صفحہ 317، باب "وہ شخص جو اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں کو اپنی حج میں شریک کرتا ہے یا ان کی طرف سے حج کرتا ہے"، حدیث نمبر 10 میں ہے۔

الکلینی: احمد بن عبد اللہ، احمد بن ابی عبد اللہ سے، ابی عمران الارمنی سے، علی بن حسین سے، محمد بن الحسن سے، ابوالحسنؑ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: (ابو عبد اللہؑ نے فرمایا: اگر تم اپنی حج میں ہزاروں کو شریک کر لو تو ہر ایک کے لیے ایک حج ہوگا، بغیر اس کے کہ تمہاری حج میں کچھ کمی آئے).

---

[1] - علل الشرائع، شیخ صدوق، ج 2، ص 372، باب 100، حدیث 1.

[2] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 16، نمبر 10146 اور نمبر 10150.

[3] - اسی حوالہ کی طرف رجوع کریں.

[4] - مفید کی کتاب "استبصار" کی اسناد (راویوں اور روایتوں کا سلسلہ) پر پہلے ہی بات کی جا چکی ہے اور اس کا عنوان اسی طرح ہے اور اس میں اختلافات کو واضح کیا گیا، لیکن میں تاکید کرتا ہوں کہ المحقق الخوئی یہاں اس سے مراد نہیں لے رہے ہیں؛ کیونکہ وہ پہلے کتب اربعہ، تفسیر قمی اور کامل الزیارات پر اعتماد کرتے ہیں، اس لیے میں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور جو اسے چاہے، وہ تفصیل سے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس کا مراجعہ کرے.

اور یہ واضح ہے کہ [علی بن الحسین] یہاں ابن بابویہ کے طبقے سے یقیناً نہیں ہے؛ کیونکہ [ابا عمران الارمنی] جو یہاں (علی بن الحسین) سے روایت کرتا ہے، وہ امام رضاؑ کے اصحاب میں سے ہے، جیسا کہ محقق خوئی نے اس بات کو [طوسی] اور [برقی] سے نقل کیا ہے.[1]

اور یہ حقیقت دن کی روشنی کی طرح واضح ہے۔

[محمد بن زیاد]: علی بن الحسین بن بابویہ کے طبقے سے نہیں ہے۔

اس طرح علی بن الحسین نے محمد بن زیاد سے روایت کی ہے: الکافی: محمد بن یحییٰ، سَلَمہ بن الخطاب سے، علی بن الحسین سے، محمد بن زیاد سے، حماد سے، ایک شخص سے اور وہ امام صادقؑ سے.[2]

اور [علی بن حسین] اس سند میں امام صادقؑ سے دو واسطوں کے ذریعے روایت کرتے ہیں، تو یقیناً وہ [علی بن حسین بن بابویہ] کے طبقے میں شامل نہیں ہیں، اور ان کے طبقے میں شریک نہیں ہیں۔

اور [سلمہ بن خطاب] ابن بابویہ کے بزرگ ترین اساتذہ میں سے ہیں[3]، تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ابن بابویہ ان کے شیخ ہوں؟!

[محمد بن عبد اللہ بن زرارہ]: ابن بابویہ کے طبقے سے نہیں ہیں؛ کیونکہ انہوں نے امام صادقؑ سے ایک واسطے کے ذریعے روایت کی ہے، جیسا کہ شیخ علی نمازی شاہرودی نے اپنی کتاب "مستدرکات" ج 4 ص 40 میں ذکر کیا ہے، اور وہ حسن بن علی بن فضال کے پیروکار تھے جو سنہ 221 یا 224 ہجری میں وفات پا گئے، جیسا کہ شیخ نمازی نے اپنی کتاب "مستدرکات" ج 7 ص 175 نمبر 13724 میں بھی ذکر کیا ہے۔

اور وہ ابوالحسن کے زمانے میں وفات پا گئے، جو ظاہراً امام کاظمؑ تھے، اور انہوں نے اپنی تمام تر دولت ابوالحسنؑ کو وصیت کی تھی، جسے انہوں نے قبضہ کیا اور ان پر دعا کی.[4]

اور یہ یقیناً واضح ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن زرارہ کی وفات علی بن حسین بن بابویہ کی ولادت سے کئی سال پہلے ہوئی۔

لہٰذا، [علی بن حسین] جو محمد بن عبد اللہ بن زرارہ سے روایت کرتا ہے، وہ [علی بن حسین بن بابویہ] نہیں ہے اور قطعی طور پر اس کی طبقے کا حصہ نہیں ہے۔

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 20، ص 47، نمبر 12798؛ اور ج 22، ص 289-288، نمبر 14667.

[2] - الکافی، کلینی، ج 4، ص 450، باب نادر.

[3] - رجال النجاشی میں سلمۃ بن الخطاب، ص 187، نمبر 498.

[4] - رجوع کریں: منہج المقال، بہبہانی پر اس کے تبصرے، ص 315.

[محمد بن عبید]: امام رضاؑ سے روایت کی ہے، جیسا کہ خوئی نے اپنے معجم میں ج 17 ص 282 نمبر 11204 میں ذکر کیا ہے۔ ابن بابویہ ان سے بلاواسطہ روایت نہیں کر سکتے۔

اس عنوان (علی بن الحسین عن محمد بن عبید) کے ساتھ درج ذیل مقام پر آیا ہے:

الکافی: احمد بن محمد، علی بن الحسین سے، محمد بن عبید سے، عبید بن ہارون سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابویزید نے حصین کے واسطے سے امام جعفر صادقؑ سے حدیث بیان کی، انہوں نے فرمایا کہ امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: (ماہِ رمضان میں کثرت سے استغفار اور دعا کیا کرو، کیونکہ دعا کے ذریعے تم سے بلائیں دور کی جاتی ہیں، اور استغفار کے ذریعے تمہارے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں).[1]

اور شیخ صدوق نے یہ روایت اپنی کتاب امالی میں اس طرح نقل کی ہے:

صدوق: میرے والد نے حدیث سنائی: ہمیں علی بن موسیٰ الکمندانی نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن محمد بن عیسی نے علی بن الحسین سے، محمد بن عبید سے، عبید بن ہارون سے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہمیں ابویزید سے، حصین سے، انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے آباءؑ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: (ماہِ رمضان میں کثرت سے استغفار اور دعا کیا کرو، کیونکہ دعا کے ذریعے تم سے بلائیں دور کی جاتی ہیں، اور استغفار کے ذریعے تمہارے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں).[2]

اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، [علی بن الحسین بن بابویہ] خود یہ روایت دو واسطوں کے ذریعے سے نقل کر رہے ہیں [علی بن الحسین، محمد بن عبید سے....].

پھر [علی بن الحسین] جو محمد بن عبید سے روایت کرتا ہے، وہ یقیناً [علی بن الحسین بن بابویہ] نہیں ہے اور اصلاً اس کی طبقے سے بھی نہیں ہے۔

[محمد بن علی]: محقق خوئی نے روایت (علی بن الحسین عن محمد بن علی) کے بارے میں دو طریقوں سے گفتگو کی:

---

[1] ۔ الکافی، کلینی، ج 4، ص 88، باب ادب الصائم، حدیث 7.

[2] ۔ امالی، شیخ صدوق، ص 117 – 118؛ المجلس، ص 15 حدیث 2.

1. یہ [محمد بن احمد بن علی] ہیں نہ کہ [محمد بن علی]، جیسا کہ انہوں نے کہا:

معجم رجال الحدیث، ج 12، ص 386:

(شیخ نے اپنی سند کے ساتھ علی بن الحسین سے، محمد بن علی سے، عبد اللہ بن الصلت سے روایت کی۔ تہذیب: ج 1 موت کے وقت تلقین دینے کا باب (مزید اضافی احادیث کے ساتھ) حدیث 1431، اسی طرح ہے اس طباعت میں ہے، لیکن پرانی طباعت اور مخطوطہ میں: محمد بن احمد بن علی کو محمد بن علی کی بجائے ذکر کیا گیا ہے، اور یہ صحیح ہے اور مطابق ہے جو انہوں نے استبصار میں روایت کیا: ج 1 باب "کہ آدمی سفر میں مر جائے اور اس کے ساتھ نہ کوئی مرد ہو نہ بیوی ... حدیث 716، اور اسی طرح الوافی اور وسائل میں دیگر روایات کی قرینے سے) ختم ہوا.

اور اسی بنیاد پر [محمد بن اِحمد بن علی] ہی وہ شخص ہے جس سے [علی بن الحسین بن بابویہ] روایت کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔

2. وہ شخص جو [محمد بن علی] سے روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسن] ہے نہ کہ [علی بن الحسین]، جیسا کہ انہوں نے کہا۔

معجم رجال الحدیث، جلد 17، صفحہ 311، حدیث نمبر 11272:

(شیخ نے اپنی سند کیساتھ علی بن الحسین سے، محمد بن علی سے، حسن بن محبوب سے روایت کی ہے۔ تہذیب، جلد 9، باب: وصیت ایک تہائی مال کی ہو یا اس سے کم یا زیادہ، حدیث 783، اور استبصار، جلد 4، باب: ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، حدیث 457۔ لیکن وہاں [علی بن الحسن] ہے، [علی بن الحسین] کے بجائے، اور یہی درست ہے، کیونکہ یہ الوافی اور الوسائل سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے) ختم ہوا.

لہٰذا، جو شخص [محمد بن علی] سے روایت کر رہا ہے، اس کا [علی بن الحسین] کے ساتھ نام میں بھی کوئی اشتراک نہیں؛ کیونکہ اس کا نام [علی بن الحسن] ہے۔

[محمد بن یحیٰی]: اور یہ محمد بن یحیٰی العطار ہے جس سے علی بن الحسین بن بابویہ بہت زیادہ روایت کرتے ہیں، اور یہ بات ظاہر اور مشہور ہے۔

[محمد المکناسی]: الکافی میں ایک جگہ یہ روایت اس طرح آئی ہے: علی سے، علی بن الحسین سے، وہ [محمد المکناسی] سے، وہ کہتا ہے: ہمیں اُس نے روایت سنائی جس نے اسے امام جعفر صادقؑ تک رفع کیا ہے (حدیث مرفوعہ: یعنی وہ حدیث بلاواسطہ طور پر کسی معصوم (نبی یا امام) سے نقل ہوا ہے).[1]

اور اس سند میں [علی بن الحسین] دراصل [علی بن الحسین الیمانی] ہے، جیسا کہ الکافی ہی میں ذکر کردہ اگلی سند اس کی قرینہ (شواہد) ہے۔

الکافی: علی سے، علی بن الحسین یمانی سے...[2]

اور وہ علی بن ابی حمزہ سے روایت کرتے ہیں، جو کہ ابو بصیر سے، اور وہ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ پچھلی روایت کے فوراً بعد آنے والی روایت (الروضۃ حدیث 202) میں مذکور ہے۔

اور جہاں تک بات ہے، تو وہ علی بن الحسین ابن بابویہ قمی نہیں ہے، کیونکہ الکافی کی اسناد میں اس طرح ابن بابویہ کا ذکر نہیں آتا۔

اور یہ [محمد کناسی] ظاہر طور پر [محمد بن عمر کناسی] ہے، جو امام رضاؑ کے اصحاب میں سے تھا۔ للذا ابن بابویہ اس سے بلاواسطہ روایت نہیں کر سکتا.[3]

پس اس مقام پر [علی بن الحسین]، [علی بن الحسین بن بابویہ] کے ہم طبقہ ہونے سے خارج ہو جاتا ہے۔

نتیجہ:

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام وہ افراد جو [علی بن الحسین بن بابویہ] کے ساتھ [علی بن الحسین] کے عنوان سے مجرد طور پر مشترک ہیں، ان میں سے اکثر ابن بابویہ سے کافی پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان میں سے بعض امام صادق، امام کاظم، امام رضاؑ کے اصحاب میں سے ہیں، اور اسی طرح دیگر افراد بھی....، اور ان میں سے چند ایک (ایک یا دو افراد) ایسے ہیں جو ابن بابویہ کے دور کے قریب ہیں، لیکن ان سے بھی ابن بابویہ نے بلاواسطہ روایت نہیں کی، بلکہ واسطے سے نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ قرائن صارفہ بھی موجود ہیں جو اس بات کو رد کرتے ہیں کہ یہ افراد علی بن الحسین بن بابویہ قمی ہو۔ نیز بعض ناموں

---

[1] - الکافی، کلینی، ج8، ص178، حدیث 201.

[2] - الکافی، کلینی، ج1، ص519، باب مولد صاحبؑ.

[3] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 18، ص 76، نمبر 11480.

میں غلطی بھی واقع ہوئی ہے، چناں چہ [علی بن الحسن] سے [علی بن الحسین] میں تصحیف (غلطی سے تبدیلی کرنا) ہوئی ہے، جیسا کہ ہم نے محقق خوئی سے نقل کیا۔

اور جب ان تمام افراد کو خارج کر دیا جائے یعنی وہ موارد جن میں [علی بن الحسین] صرف نام کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جن کی تعداد (15) ہے اور یہ وہ موارد ہیں جن میں اس نے ان سے روایت کی ہے:

(امام ابو عبد اللہؑ، ابن سنان، ابن اِورمہ، احمد بن ابی عبد اللہ، احمد بن محمد بن خالد، جعفر بن بکر، حماد بن عیسی، سیف بن عمیرہ، علی بن ابی حمزہ، علی بن حسان، عمرو بن عثمان، محمد بن ابی حمزہ، محمد بن حسن، محمد بن زیاد، محمد بن عبداللہ بن زرارہ، محمد بن عبید، محمد بن علی، اور محمد کناسی)

اب صرف وہ مشائخ (اساتذہ) باقی رہ جاتے ہیں جن سے [علی بن الحسین بن بابویہ] نے بلاواسطہ روایت کی ہے، اور وہ یہ ہیں:

(احمد بن ادریس، سعد بن عبداللہ، عبداللہ بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن احمد بن علی، محمد بن احمد بن علی بن صلت، اور محمد بن یحییٰ)۔

اور اس طرح [علی بن الحسین] کا صرف نام کے ساتھ ذکر ہونا [علی بن الحسین بن بابویہ] کی طبقہ میں صرف اسی پر منحصر ہو جاتا ہے، اور اس میں ان افراد میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہیں جنہیں محقق خوئی نے اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، یعنی: [علی بن الحسین]۔

عنوان [علی بن الحسین] سے روایت کرنے والے:

[اور اس سے اس کے بیٹے ابو جعفر نے روایت کی]: اور وہ اس کا بیٹا محمد بن علی الصدوق (رحمہ اللہ) ہے، جو ہمیشہ اپنے والد ابن بابویہ سے روایت کرتا ہے۔

[ابو عبد اللہ] نے علی بن الحسین سے اس طرح روایت کی:

محمد بن الحسن نے اپنی سند کے ساتھ، محمد بن احمد بن یحییٰ سے، ابو عبد اللہ سے، علی بن الحسین سے، حماد بن عیسیٰ سے، جعفر بن محمد سے، اور انہوں نے اپنے والدؑ سے روایت کی۔[1]

---

[1] - وسائل الشیعۃ (آل البیت)، حر عاملی، ج 28، ص 22–23، حدیث 34120 .

اور یہاں [علی بن الحسین] جس سے ابو عبد اللہ نے روایت کر رہا ہے، یقینی طور پر [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] کی طبقہ سے نہیں ہے؛ کیونکہ وہ صرف ایک واسطے سے امام صادقؑ سے روایت کر رہا ہے، اور یہ [علی بن الحسین بن بابویہ] کے بارے میں ناممکن ہے۔

پس یہ شخص یقینی طور پر ابن بابویہ کے طبقے میں شریک نہیں ہے۔

[ابو عمران الارمنی]: امام رضاؑ کے اصحاب میں سے ہے، جیسا کہ محقق خوئی نے طوسی اور برقی سے نقل کیا ہے.[1]

تو یقیناً وہ ابن بابویہ کے طبقے سے نہیں ہے۔

[ابان بن عثمان]: نے امام صادقؑ اور امام کاظمؑ سے روایت کی ہے.[2] تو یقیناً وہ [علی بن الحسین] جس سے [ابان بن عثمان] روایت کرتا ہے، [علی بن الحسین بن بابویہ] کی طبقہ سے نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ اس کے طبقے میں ہرگز شریک نہیں۔

[احمد بن محمد]: خوئی نے کہا ہے کہ وہ شخص جس سے [احمد بن محمد] روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسن التیمی] ہے، نہ کہ علی بن الحسین۔

معجم رجال الحدیث، جلد 12، صفحہ 382–383، نمبر 8048:

(محمد بن یعقوب نے احمد بن محمد سے، علی بن الحسین سے، احمد بن الحسن سے روایت کی ہے۔

الکافی، جلد 4، کتاب الصیام، باب "فی الصائم یسعط"، صفحہ 29، حدیث 4 اور التہذیب، جلد 4، باب "ما یفسد الصیام"، حدیث 592۔ ایسا ہی الکافی اور وسائل کی پرانی طباعت میں بھی ہے، لیکن المرآۃ، الوافی اور التہذیب کی پرانی طباعت میں : "علی بن الحسن" ہے، اور یہی درست ہے، باقی روایتوں کے قرینے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے) ختم ہوا۔

اور اسے جلد 2، صفحہ 76 میں بھی ذکر کیا، اور اسی طرح جلد 2، صفحہ 246 میں بھی، جہاں انہوں نے کہا:

(اور محمد بن یعقوب نے احمد بن محمد سے، علی بن الحسین سے کئی مواقع پر روایت کی ہے۔ اور یہ احمد بن محمد، یا تو احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ ہے، یا احمد بن محمد العاصمی۔ اور ان دونوں نے کئی مواقع پر علی بن الحسن اور

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 20، ص 47، نمبر 12798؛ ج 22، ص 288–289، نمبر 14667؛ جیسا کہ مستدرکات علم رجال الحدیث نمازی میں آیا ہے، ج 8، نمبر 15315.

[2] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 1، ص 143، نمبر 37.

علی بن الحسن بن فضال سے روایت کی ہے، لیکن ایک بھی موقع پر علی بن الحسین سے روایت نہیں کی۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام موارد میں تحریف واقع ہوئی ہے، اور صحیح نام "علی بن الحسن" ہے۔ ہم ان کے موارد کا ذکر کرتے ہیں...).

اور اس طرح [علی بن الحسین] جس سے [احمد بن محمد] روایت کرتا ہے، وہ ابن بابویہ کے ساتھ نام میں بھی ہرگز شریک نہیں؛ کیونکہ اس کا نام [علی بن الحسن التیمی] ہے۔

[اسماعیل بن محمد المکی]: الکافی: علی بن ابراہیم نے، اسماعیل بن محمد المکی سے، علی بن الحسین سے، عمرو بن عثمان سے، حسین بن خالد سے، جنہوں نے ذکر کیا، اور انہوں نے ابو الربیع سے، اور انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی.[1]

اور ابن بابویہ قمی، عمرو بن عثمان کی طبقہ سے نہیں ہیں تا کہ وہ ان سے روایت کریں، (کیونکہ) عمرو بن عثمان امام صادق یا امام کاظمؑ کے اصحاب میں سے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

پھر محقق خوئی نے کہا: کہ وہ شخص جو عمرو بن عثمان سے روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسن] ہے، نہ کہ [علی بن الحسین].[2]

اور اس طرح [علی بن الحسین] جو عمرو بن عثمان سے روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسین] کے ساتھ نہ نام میں شریک ہے اور نہ ہی طبقے میں، اور اس پر کوئی شبہ نہیں ہے۔

[سلمہ بن خطاب]: کہا گیا ہے کہ سلمہ بن خطاب [علی بن الحسن الطاطری] سے روایت کرتا ہے، نہ کہ علی بن الحسین سے، باقی روایات کے قرینے سے یہ بات واضح ہے، جیسے کہ وسائل میں ذکر ہے: جلد 2، صفحہ 309، حدیث 2214، صفحہ 321، حدیث 2250، صفحہ 325، حدیث 2264، جلد 4، صفحہ 40، حدیث 4458، جلد 13، صفحہ 451، حدیث 18192، صفحہ 459، حدیث 18210، صفحہ 465، حدیث 18221۔

تو ان موارد میں یا تو [علی بن الحسن الطاطری] آیا ہے یا [علی بن الحسن]۔

اور بہر حال، علی بن الحسن یا علی بن الحسین یہ کسی صورت میں بھی علی بن الحسین بن بابویہ قمی کی طبقہ سے نہیں ہیں۔

---

[1] - الکافی، کلینی، ج 5، ص 352، باب: وہ لوگ جن سے ازدواج کرنا مکروہ ہے قوم کرد میں سے.

[2] - راجع، ج 12، ص 383، نمبر 8048.

اور [سلمہ بن خطاب] ابن بابویہ کے اساتذہ کے استاد ہیں، تو کیسے ممکن ہے کہ ابن بابویہ ان کے استاد ہو؟!

اور صدوق کا سلیمہ بن خطاب تک پہنچنے کا طریقہ اس طرح ہے:

اور صدوق کا طریقہ: ان کے والد اور محمد بن حسن (رضی اللہ عنہما) نے سعد بن عبد اللہ سے، سلیمہ بن خطاب البراوستانی سے.[1]

[عبد اللہ بن احمد]: [علی بن الحسین] جس سے عبد اللہ بن احمد روایت کرتا ہے، وہ یقیناً علی بن الحسین بن بابویہ کی طبقہ سے نہیں ہے؛ کیونکہ اس نے ابن سنان سے اس طرح روایت کی ہے:

الکلینی: محمد بن یحییٰ نے محمد بن احمد سے، عبد اللہ بن احمد سے، علی بن الحسین سے، ابن سنان سے، سابق بن الولید سے، المعلی بن خنیس سے، اور المعلی بن خنیس نے امام صادقؑ سے روایت کی.[2]

چاہے ابن سنان کوئی بھی ہو، وہ یقیناً ابن بابویہ قمی کی طبقہ سے نہیں ہے اور وہ ان سے بلاواسطہ روایت نہیں کر سکتا۔

پھر ظاہر یہ ہے کہ [علی بن الحسین] جس سے عبد اللہ بن احمد روایت کرتا ہے، وہ [علی بن الحسین الطاطری] ہے، اس قرینہ کیساتھ کہ وسائل میں اس طرح آیا ہے: (.... عبد اللہ بن اِحمد سے، علی بن الحسن الطاطری سے...).[3]

پس یہ قطعی طور پر علی بن الحسین بن بابویہ کی طبقہ سے شریک نہیں ہے۔

[عبید اللہ بن الحسین]: [علی بن الحسین] جس سے عبید اللہ بن الحسین روایت کرتا ہے، علی بن ابو حمزہ سے، ابن یقطین سے، امام صادقؑ سے روایت کی.[4]

اور یہ یقیناً علی بن الحسین بن بابویہ کی طبقہ سے نہیں ہے؛ کیونکہ وہ علی بن ابو حمزہ سے روایت کرتا ہے، جو ابن بابویہ قمی سے بہت پہلے کا زمانہ ہے۔

---

[1] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج 9، ص 231، نمبر 5365 .

[2] -الکافی، کلینی، ج 1، ص 477، باب: امام موسی بن جعفرؑ کی ولادت.

[3] -وسائل الشیعۃ آل البیت، حر عاملی، ج 13، ص 332، حدیث 17875 .

[4] -وسائل آل البیت، حر عاملی، ج 7، ص 506، نمبر 9979 .

[علی]: الکافی میں آیا ہے کہ علی سے، علی بن الحسین سے، محمد کناسی سے روایت کی، اور محمد کناسی نے کہا: ہمیں اُس نے روایت سنائی جس نے اسے امام جعفر صادقؑ تک رفع کیا ہے (حدیث مرفوعہ: یعنی وہ حدیث بلاواسطہ طور پر کسی معصوم (نبی یا امام) سے نقل ہوا ہے).[1]

اور اسی روایت کے فوراً بعد حدیث 202 میں آیا ہے: (اُس سے، علی بن الحسین سے، علی بن ابی حمزہ سے، ابو بصیر سے، امام جعفر صادقؑ سے...).

اور اس سند میں [علی بن الحسین] ظاہر طور پر [علی بن الحسین یمانی] ہے، اس قرینے سے جو اسی کافی میں مذکور اگلی سند میں موجود ہے:

الکافی: علی سے علی بن الحسین یمانی سے...[2]

اور جیسے بھی ہو، وہ علی بن الحسین بن بابویہ قمی نہیں ہے؛ کیونکہ ابن بابویہ اس طرح کی اسناد میں الکافی میں مذکور نہیں، اور ان کی طبقہ بھی مختلف ہے۔

پس وہ علی بن الحسین بن بابویہ کی طبقہ میں شریک نہیں ہوتا۔

[علی بن حاتم]: شیخ طوسی کی کتاب التہذیب میں اس عنوان کے ساتھ آیا ہے: (علی بن حاتم، علی بن الحسین سے، اِحمد بن اِبی عبد اللہ سے)، تین مقامات پر: —جلد 3، صفحہ 72–73، حدیث 232 اور جلد 3، صفحہ 86، حدیث 243 اور جلد 3، صفحہ 87–88، حدیث 247.

اور پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ [علی بن حاتم] [ابن بابویہ] سے روایت نہیں کرتا، کم از کم اس عنوان کے تحت تو ہرگز نہیں، لہٰذا اسے دوبارہ دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں.[3]

[اور اس کا بیٹا، ابو جعفر محمد]: یہ شیخ صدوق محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ ہیں۔

اور محقق خوئی کا کہنا (اس سے اس کے بیٹے نے روایت کی) یہ واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خوئی یہ سمجھتے ہیں کہ [علی بن الحسین] کا اطلاق ابن بابویہ قمی، شیخ صدوق کے والد پر ہوتا ہے، لیکن انہوں نے مشترکہ ہونے کی بات کی ہے تاکہ اس عنوان کے تحت کسی اور کو شامل ہونے سے بچایا جاسکے جو ابن بابویہ

---

[1] - الکافی، کلینی، ج 8، ص 178، حدیث 201.

[2] -الکافی، کلینی، ج 1، ص 519، باب: حضرت صاحب الزمان ؑ کی ولادت.

[3] -رجوع کریں جو میں نے التہذیب کی روایات کا تحقیقات، شروع میں اس ضمیمہ میں بیان کیا ہے.

قمی کی طبقہ سے نہیں ہے؛ کیونکہ محقق خوئی کا معمول ہے کہ وہ اپنے معجم میں ہر عنوان کے لیے ان تمام افراد کا ذکر کرتے ہیں جو اس سے روایت کرتے ہیں، طبقے کی پرواہ کیے بغیر۔

[محمد بن علی بن محبوب]: [علی بن الحسین] جس سے [محمد بن علی بن محبوب] روایت کرتے ہیں، کبھی صفوان سے، منصور سے، امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں، اور کبھی حماد بن عیسیٰ سے امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں.[1]

اور یہ [علی بن الحسین] یقیناً ابن بابویہ قمی کی طبقہ میں شامل نہیں ہے، تو یہ اُس (ابن بابویہ) کی اسی طبقے میں شراکت نہیں رکھتا۔

[محمد بن یحییٰ]: العطار وہ شخص ہے جس سے ابن بابویہ اکثر روایت کرتے ہیں۔

اور محمد بن یحییٰ نے [علی بن الحسین] سے مجرداً (بغیر کسی قید یا اضافے کے) روایت کی، سَیف بن عمیرہ سے، محمد بن مروان سے، اور امام صادقؑ سے.[2]

اور اسی طرح محمد بن یحییٰ نے روایت کی: علی بن الحسین سے، ابن اورمہ سے، حسین بن سعید سے....[3]

پہلی طریقہ پر، یہ [علی بن الحسین] ابن بابویہ قمی کی طبقے سے نہیں ہے؛ کیونکہ وہ سِیف بن عمیرہ سے روایت کرتا ہے، اور ابن بابویہ قطعی طور پر سِیف بن عمیرہ کی طبقے سے نہیں ہے۔

دوسری طریقہ پر بھی، [علی بن الحسین] ابن بابویہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ ابن اورمہ سے روایت کرتا ہے، اور ابن اورمہ قطعی طور پر ابن بابویہ قمی کی طبقے سے نہیں ہے، کیونکہ ابن اورمہ امام ہادیؑ کے ہم عصر تھے، بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ امام جوادؑ کے بھی ہم عصر تھے، اور شیخ طوسی نے انہیں امام رضاؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے، جبکہ ابن بابویہ قمی کی زیادہ سے زیادہ جو طبقہ بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ امام عسکریؑ کے ہم عصر تھے، اور ابن اورمہ کے بارے میں کسی نے بھی نہیں کہا کہ وہ امام عسکریؑ کے ہم عصر تھے۔

تو پھر [علی بن الحسین] جس سے [محمد بن یحییٰ] روایت کرتے ہیں، وہ علی بن الحسین بن بابویہ قمی کی طبقے سے نہیں ہے، اس لئے وہ اسی طبقے میں شریک نہیں ہیں، یعنی [محمد بن یحییٰ] ابن بابویہ کے شیخ (استاد) ہیں نہ کہ الٹا، کیونکہ [محمد بن یحییٰ] نے ابن بابویہ سے روایت نہیں کی۔

---

[1] - وسائل الشیعۃ آل البیتؑ: حر عاملی، ج4، ص225 - 4986 اور ج9، ص331 – 12151.

[2] - وسائل الشیعۃ آل البیتؑ، حر عاملی، ج7، ص171، ح9033.

[3] - الکافی، کلینی، ج، 6، ص388، باب: فرات کے پانی کی فضیلت.

[الخشاب]: [علی بن الحسین] جس سے الخشاب روایت کرتے ہیں، محمد بن ابی حمزہ سے، عبد اللہ بن سنان سے، امام صادق ؑ سے روایت کی ہے.[1]

اور محمد بن إبي حمزة، جس سے [علی بن الحسین] یہاں روایت کر رہے ہیں، وہ [محمد بن إبي حمزة الثمالی] ہے.[2]

اور شیخ طوسی نے انہیں اپنی کتاب رجال الطوسی میں امام صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے، صفحہ 13، نمبر 4650.

اور یہ [علی بن الحسین] یقیناً علی بن الحسین بن بابویہ قمی کی طبقہ سے نہیں ہے، لہذا وہ اس کے ساتھ طبقہ میں شریک نہیں ہو سکتا۔

[العوفی]: العوفی نے علی بن الحسین سے، محمد بن عبد اللہ بن زرارہ سے، محمد بن فضیل سے، ابو حمزہ سے، امام باقرؑ سے روایت کی ہے.[3]

اور یہ [علی بن الحسین] یقیناً [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] کی طبقہ سے ہی نہیں ہے؛ کیونکہ پہلا محمد بن عبد اللہ بن زرارہ سے روایت کرتا ہے، جو کہ امام ابی الحسن، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ امام کاظمؑ ہے، ان کے زمانے میں وفات پا چکا تھا.[4]

لہذا یہ [علی بن الحسین]، [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] کے ساتھ طبقہ میں شریک نہیں ہے۔

نتیجہ:

ان تمام راویوں میں جنہوں نے [علی بن الحسین] کے عنوان سے مجرداً روایت کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] سے روایت نہیں کر سکتا سوائے ان دو موارد کے جنہیں محقق خوئی نے اس طرح عنوان دیا ہے:

(وروی عنہ ابنہ إبو جعفر، وابنہ، إبو جعفر محمد؛ اور اس سے اس کے بیٹے ابو جعفر، اور اس کے بیٹے ابو جعفر محمد نے روایت کی))۔

---

[1] - الکافی، کلینی، ج3، ص542، باب: مملوک، مکاتب اور مجنون کے مال کی زکات.

[2] - رجال النجاشی، ص358، نمبر 961.

[3] - الکافی، کلینی، ج2، ص568، باب: تعویذ اور حفاظت (حرز) کے بارے میں.

[4] - معجم رجال الحدیث، سید خوئی، ج17، ص253، حدیث 11117.

ان دو سے مقصود یہاں علی بن حسین بن بابویہ کے بیٹا ہے جو ابو جعفر محمد الصدوق (رحمت اللہ علیہ) ہے۔ اور اس سے یہ واضح اور صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جب [علی بن حسین] کا عنوان مجرد (بغیر کسی تفصیل کے) استعمال کیا جاتا ہے اور ابن بابویہ کے دور میں، تو اس سے مراد [علی بن حسین بن بابویہ]، یعنی شیخ صدوق کے والد ہی ہیں، نہ کہ کوئی اور، اس تفصیل کے مطابق وہ افراد جن سے [علی بن الحسین] کے عنوان سے روایت کی گئی ہے ([علی بن الحسین] انہوں سے روایت کی ہے) اور وہ افراد جنہوں نے [علی بن الحسین] کے عنوان (نام) سے روایت نقل کی ہے (علی بن الحسین ان کا مشائخ (اساتذہ) ہے)

اور بحث "جن سے روایت کی گئی ہے" میں یہ بات گزر چکی ہے کہ عنوان [علی بن الحسین] کو ابن بابویہ تک محصور (محدود) کر دیا گیا ہے، اور باقی افراد نہ طبقے میں اور نہ ہی نام میں اس کے شریک ثابت ہوئے ہیں، اور جن افراد کا خوئی نے ذکر کیا ہے کہ [علی بن الحسین] اُن سے روایت کرتا ہے، ان میں سے کسی سے بھی ابن بابویہ کی روایت ثابت نہیں ہوئی؛ کیونکہ وہ سب اس (ابن بابویہ) پر مقدم ہیں (پہلے کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں) اور اس کے ساتھ ایک طبقہ میں شریک نہیں ہیں۔ لہٰذا، [علی بن الحسین] صرف اپنے مشائخ (اساتذہ) اور ان افراد تک محدود ہے جن سے وہ روایت کرتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

پس اگر کوئی اور شخص عنوان [علی بن الحسین] میں اس کے ساتھ شریک ہوتا، تو اس کے طبقے میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ملتا جس پر یہ عنوان بغیر کسی قرینے، لقب، نسبت یا جد کے اطلاق پاتا۔ حالانکہ ہمیں ایسا کبھی نہیں ملا، بلکہ جو بھی افراد ابن بابویہ کے ہم عصر ہیں، جن کا نام [علی بن الحسین] ہے، وہ یا تو ہمیشہ جد، لقب یا نسبت کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں —اور یہی بات سب سے زیادہ رائج ہے— یا اگر کبھی بغیر ان چیزوں کے ذکر ہوں، تو واضح قرائن موجود ہوتے ہیں کہ وہ ابن بابویہ قمی نہیں ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ [علی بن الحسین] جو احمد بن ابی عبداللہ سے روایت کرتا ہے، اور [علی بن الحسین] جس سے علی بن حاتم روایت کرتا ہے، وہ ابن بابویہ نہیں ہو سکتا۔

اور ابھی کچھ دیر پہلے بحث "راوی" میں گزر چکا ہے کہ جن افراد کا ذکر محقق خوئی نے کیا ہے کہ وہ عنوان [علی بن الحسین] سے مجرد طور پر روایت کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی [علی بن الحسین بن بابویہ] سے روایت نہیں کر سکتا، سوائے اس کے بیٹے ابو جعفر محمد بن علی الصدوق کے۔

پھر محقق خوئی کا عنوان [علی بن الحسین] کے بارے میں یہ قول: (اس کے بیٹے ابو جعفر محمد نے اس سے روایت کی ہے)، خوئی کی طرف سے اس بات کی واضح نشاندہی ہے کہ یہ عنوان [علی بن الحسین بن بابویہ] کی طرف منصرف ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

ابتدائی گفتگو میں میرزا نوری اور دوسروں کا یہ قول گزر چکا ہے کہ کتب رجال و حدیث میں جب [علی بن الحسین] کا نام بغیر کسی قید کے ذکر ہو تو اس سے مراد [علی بن الحسین بن بابویہ قمی] ہوتا ہے۔

اور ان تمام گذشتہ نکات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جو یہ اشکال کرتا ہے کہ [علی بن الحسین] کے ابن بابویہ کی طرف منصرف ہونے پر کوئی دلالت نہیں، تو یہ محض جدل اور بے بنیاد اعتراض ہے، جس کی طرف توجہ دینا ہی نہیں چاہیے۔

تیسرا نکتہ :

ایک اور تائید اس بات پر کہ [علی بن الحسین] ہی [علی بن الحسین بن بابویہ] ہے، یہ ہے کہ سندِ وصیت میں موجود [علی بن الحسین] نے [احمد بن محمد بن خلیل] سے روایت کی ہے، اور یہ احمد بن محمد بن خلیل، علی بن الحسین بن بابویہ کے مشایخ کی یا ان افراد کی طبقہ میں ہے جن سے وہ روایت کرتا ہے، جیسے : سعد بن عبد اللہ، احمد بن ادریس، اور عبد اللہ بن جعفر حِمیَری۔

اور اس پر دلیل یہ ہے کہ [احمد بن محمد بن خلیل] نے [محمد بن صالح ہمدانی] سے روایت کی ہے، جو امام حسن عسکریؑ کے اصحاب میں سے تھا اور امام مہدیؑ کے غیبتِ صغریٰ کے دور کے وکلا میں سے تھا۔ اور [محمد بن صالح ہمدانی] سے [سعد بن عبد اللہ] اور [عبد اللہ بن جعفر حمیری] روایت کرتے ہیں، جو کہ دونوں [علی بن الحسین بن بابویہ] کے مشایخ (اساتذہ) میں سے ہیں۔

اور یہ بات بالکل واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ [احمد بن محمد بن خلیل]، [علی بن الحسین بن بابویہ] کے مشایخ کی طبقہ سے ہے اور انہی افراد میں سے ہے جن سے اُس (علی بن الحسین) نے روایت کی ہے، پھر وہ (احمد بن محمد بن خلیل) ابن بابویہ کے مشایخ میں سے ہیں یا ان افراد میں سے جن سے علی بن الحسین بن بابویہ نے روایت کی ہے، جیسا کہ وصیتِ رسول خداؐ میں آیا ہے خصوصاً اس بات کے پیشِ نظر کہ اُس دور میں جب " علی بن الحسین " کا عنوان بغیر کسی قید کے ذکر ہوتا ہے، تو اس سے مراد صرف وہی معروف و جلیل القدر ابن بابویہ ہوتا ہے، جیسے لکڑی (مشعل) پر آگ۔ (یعنی ایک واضح بات جسے مزید وضاحت کی ضرورت نہ ہو۔)

اور اب میں وہ روایت ذکر کروں گا جس میں [احمد بن محمد بن خلیل] نے [محمد بن صالح ہمدانی] سے روایت کی ہے، اس کے بعد وہ اسناد ذکر کروں گا جن میں [سعد بن عبد اللہ] اور [عبد اللہ بن جعفر الحمیری] نے [محمد بن صالح ہمدانی] سے روایت کی ہے۔

مجلسی نے بحار الانوار میں غیبت شیخ طوسی سے یہ روایت نقل کی: جماعت (ایک گروہ) نے التلعکبری سے، احمد بن علی رازی سے، حسین بن علی سے، علی بن سنان موصلی سے، احمد بن محمد بن خلیل سے، محمد بن صالح الہمدانی سے، سلیمان بن احمد سے، الذیال بن مسلم اور عبدالرحمان بن یزید بن جابر سے، سلام سے نقل کیا کہ: اس نے کہا: میں نے ابو سلمہ، نبی کے چرواہے کو کہتے سنا: میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا: (وہ رات جب میں معراج پر گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه)، میں نے کہا: والمومنون، اللہ نے فرمایا: سچ کہا اے محمد۔ تم نے اپنی امت کے لیے کس کو پیچھے چھوڑا؟ میں نے کہا: ان میں سب سے بہتر کو۔ اللہ نے فرمایا: علی بن ابی طالب؟ میں نے کہا: ہاں، اے میرے رب۔ اللہ نے فرمایا: اے محمد، میں نے زمین پر نظر ڈالی تو تجھے چُن لیا، پھر میں نے تمہارے لیے اپنے ناموں میں سے ایک نام چنا، تو جہاں بھی ذکر کیا جاؤں، تمہارا ذکر میرے ساتھ ہو گا۔ میں محمود ہوں، تو محمد ہے۔ پھر دوبارہ زمین پر نظر ڈالی تو علی کو چُنا، اور اس کے لیے بھی اپنے نام سے نام رکھا: میں اعلیٰ ہوں، اور وہ علی ہے۔

یا محمد! میں نے تجھے، علی کو، فاطمہ کو، حسن کو اور حسین کو اپنے نور کی ایک چھایا سے پیدا کیا، اور میں نے آپ کی ولایت کو آسمانوں اور زمین کے باشندوں پر پیش کیا، تو جو اس پر ایمان لایا وہ میرے نزدیک مومن تھا اور جو اس کا انکار کرتا تھا وہ میرے نزدیک کافر تھا۔

یا محمد! اگر میرے کسی بندے نے میری عبادت کی ہو یہاں تک کہ اس کا جسم سوکھ کر خشک ہو جائے اور وہ ایک پرانی کپڑے کی طرح ہو جائے، پھر اگر کوئی میرے پاس آ کر تمہاری ولایت کا انکار کرے تو میں اسے معاف نہیں کروں گا جب تک کہ وہ تمہاری ولایت کو تسلیم نہ کرے۔ یا محمد! کیا تم انہیں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، یا رب! تو اللہ نے فرمایا: عرش کے دائیں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو علی، فاطمہ، حسن، حسین، علی، محمد، جعفر، موسیٰ، علی، محمد، علی، حسن اور مہدی نور کے دریا میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، اور مہدی ان کے درمیان ایسا چمک رہا تھا جیسے روشن ستارہ۔ اللہ نے فرمایا: یا محمد! یہ تمہاری نسل کے حجتیں ہیں، اور یہ (مہدی) تمہاری عترت کا انتقام لینے والا ہے۔ یا محمد! میری عزت اور جلال کی قسم، وہ میرے اولیاء کے لیے واجب حجت ہے اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے).[1]

اور یہ ذکر کیا ہے شیخ علی نمازی شاہرودی نے "مستدرکات علم رجال الحدیث" جلد 1 صفحہ 434 پر، احمد بن محمد بن الخلیل کی ترجمہ (سوانح حیات) میں:

---

[1] - بحار الانوار، مجلسی، ج36، ص260 – 262.

(... اور غیبت میں صفحہ 103 پر ایک دوسرے سند کے ساتھ علی بن سنان الموصلی العدل سے روایت ہے، جو احمد بن محمد بن الخلیل سے، اور محمد بن صالح الہمذانی سے، ایک روایت ہے جس میں ان کے نص اور اسماء اور فضائل کا ذکر ہے...).[1]

شیخ صدوق نے کتاب "کمال الدین" میں یوں روایت کی:

ہمیں میرے والد اور محمد بن حسن بن احمد بن ولید (رضی اللہ عنہما) نے حدیث سنائی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن جعفر حمیری نے حدیث سنائی، کہا: مجھے محمد بن صالح ہمدانی نے حدیث سنائی. اس نے کہا: میں نے صاحب الزمانؑ کو لکھا: میرے اہل بیت مجھے اذیت دیتے ہیں اور میرے اوپر وہ حدیث پڑھ کر الزام لگاتے ہیں جو آپ کے آباؑ سے روایت کی گئی ہے جو انھوں نے فرمایا: "ہمارے قوام (انتظام کرنے والا) اور خدام (خدمت گزار)، اللہ کی سب سے بدترین مخلوق ہیں . تو آپؑ ے لکھا: (افسوس! کیا تم نہیں پڑھتے وہ جو (اللہ تعالی) نے کہا: (وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً؛ اور ہم نے ان کے درمیان اور ان گاؤں (بستیوں) کے درمیان جو ہم نے ان میں برکت رکھی ہے، نمایاں گاؤں (بستیوں) کا فاصلہ رکھا ہے) اور ہم اللہ کی قسم وہ گاؤں ہیں جنہیں اللہ نے برکت دی ہے اور تم وہ ظاہری گاؤں ہو).[2]

ہمیں میرے والد (رضی اللہ عنہ) نے، سعد بن عبداللہ سے، محمد بن صالح سے، اس نے کہا: میں نے اُن سے باداشالہ کے لیے دعا کی درخواست کی، کیونکہ اُسے ابن عبدالعزیز نے قید کر رکھا تھا، اور میں نے اپنی ایک کنیز (لونڈی) سے اولاد ہونے کی اجازت طلب کی تھی، تو جواب آیا: "اُسے اولاد حاصل کرو، اور اللہ جو چاہے کرے گا، اور قیدی کو اللہ نجات دے گا" پھر میں نے اُس جاریہ (لونڈی) سے ہمبستری کی، تو وہ حاملہ ہوئی اور بچہ جنا، پھر مر گئی، اور قیدی کو اُس دن رہا کر دیا گیا جس دن توقیع (امام کا دستخط شدہ جواب) میرے پاس پہنچی).[3]

---

[1] - موجودہ طبع شدہ نسخہ میں کتاب الغیبۃ میں یوں آیا ہے: (.... احمد بن محمد الخلیلی ....) اور یہ غالباً تصحیف ہو سکتا ہے، خاص طور پر جب علامہ مجلسی اور شیخ علی نمازی شاہرودی نے کتاب الغیبۃ سے جو نقل کی ہے جیسا کہ متن میں آیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس شخص کو اپنے دادا (الخلیل) کی نسبت سے (الخلیلی) کہا جائے.

[2] - کمال الدین وتمام النعمۃ، شیخ صدوق، ص 483 ، باب، 45 حدیث 2.

[3] - کمال الدین وتمام النعمۃ، شیخ صدوق، ص 498 ، باب 45، حدیث 12.

غرض یہ ہے کہ [احمد بن محمد بن خلیل] [ابن بابویہ] کے مشایخ کی طبقہ سے ہیں جیسے سعد بن عبد اللہ اور حمیری... اور [علی بن الحسین] جو ان سے بغیر کسی اضافی لقب یا نسبت کے روایت کرتا ہے، وہ صرف علی بن الحسن بن بابویہ ہی ہیں، اور کوئی نہیں، جیسے کہ اس کی تفصیل میں وضاحت کی گئی ہے.

پچھلے بیان کی تکمیل:

پھر [علی بن سنان الموصلی] نے [احمد بن محمد بن خلیل] سے بلاواسطہ روایت کی ہے، جیسا کہ پچھلی روایت میں ذکر ہوا۔ اور یہ مدنظر رکھتے ہوئے کہ [احمد بن محمد بن خلیل] علی بن حسین بن بابویہ کے مشایخ کی طبقہ سے ہیں، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ [علی بن سنان الموصلی] بھی علی بن حسین بن بابویہ کی طبقہ سے ہیں۔

اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں، خاص طور پر جب یہ بات مدنظر رکھی جائے کہ علی بن سنان الموصلی نے اپنے والد سے اہل قم کے وفد کا واقعہ نقل کیا ہے، اور یہ واقعہ غیبتِ صغریٰ کے آغاز میں پیش آیا تھا؛ پس یہ شخص یقیناً غیبتِ صغریٰ کا معاصر ہے۔

اور علی بن الحسین بن بابویہ امام حسن عسکریؑ کے معاصرین (ہم عصر) میں سے تھے اور امامؑ نے ان کے نام ایک رسالہ بھی بھیجا تھا، اور وہ زندہ رہے یہاں تک کہ سنہ 329 ہجری میں وفات پائی، جو کہ "عام تناثر النجوم؛ ستاروں کا بکھر جانا" کے نام سے مشہور ہے، یعنی غیبت صغریٰ کے آخری ایّام میں، جب چوتھے نائب خاص علی بن محمد سمری سفیر تھے۔

لہٰذا، علی بن سنان موصلی بلاشک و شبہ علی بن الحسین بن بابویہ کے ہم عصر اور انہی کی طبقے سے ہیں۔

والحسین بن علی البزوفری، جو کہ حسین بن روح (سفیر سوم) کے معاصر تھے، وہ بھی علی بن سنان الموصلی اور علی بن الحسین بن بابویہ کے معاصر ہیں۔ سند الوصیہ کچھ یوں ہے: (البزوفری عن علی بن سنان الموصلی العدل عن علی بن الحسین، عن إحمد بن محمد بن الخلیل.....).

پس البزوفری، الموصلی اور ابن بابویہ ایک ہی طبقے میں ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا اور [احمد بن محمد بن خلیل] ابن بابویہ کے مشائخ کے طبقے سے ہیں جیسے سعد بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن جعفر جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے وصیت کے راویوں کے درمیان کوئی ایسی مدت نہیں ہے جو کسی ایک کو دوسرے سے روایت کرنے سے روکے۔

ہم نے کہا کہ [احمد بن محمد بن الخلیل] ابن بابویہ کے مشایخ کی طبقہ سے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ [احمد بن محمد بن الخلیل] سے [علی بن الحسین] کے عنوان سے روایت کرنے والا ابن بابویہ ہی ہے، نہ کہ کوئی اور،

خاص طور پر جب ہم (راوی اور مروی عنہ) کے بارے میں پہلے ذکر کیے گئے تفصیل کو دیکھیں، جنہوں نے اس عنوان سے روایت کی ہے، وہ افراد جن سے اس عنوان کے تحت روایت کی گئی ہے، جو چیز مکمل ہوئی وہ [علی بن الحسین] کا عنوان ابن بابویہ قمی تک محدود ہونا ہے۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ ابتدائی گفتگو میں ذکر کی گئی اہم تفصیلات کو دیکھتے ہوئے، یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد وآلہ الائمۃ والمہدیین وسلم تسلیماً کثیراً.

الشیخ ناظم العقیلی

الأحد : 28/رجب الأصب/1431ھ-.ق

11-07-2010